دشمن چٹانیں
EXPLOSIVE
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا کی مُشترکہ مہم

بائیسواں خاص نمبر

دُشمن چٹان

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

آپ نے یہ ضرب المثل تو سُنی ہوگی، اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اونٹ کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں، لیکن بے چارہ اونٹ ہی کیوں بدنام ہے، کچھ اور چیزیں بھی ایسی موجود ہیں جن کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ اب آپ جلدی جلدی ذہن کو گردش دینے لگے ہوں گے کہ ذرا دیکھیں تو سہی۔ وہ کون سی چیزیں ہیں۔ جن کی اونٹ کی طرح کوئی کل سیدھی نہیں۔ مجھے امید ہے۔ آپ ایسی ایک چیز بھی اپنے ذہن کی گرفت میں نہیں لا سکے ہوں گے۔ لیکن جب میں نام گنوانے لگوں گا تو آپ کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی اور مُنہ کُھلے کے کُھلے رہ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے، ایسا نہ ہو سکے لیکن کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ آپ نام سُننے کے لیے تیار ہو جائیں۔ سب سے پہلے تو حضرتِ انسان کو ہی لے لیں۔ ہے

کوئی اس کی کل سیدھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ انسان کی ایک بھی کل سیدھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔ دیکھا جائے تو یہ اس معاملے میں اونٹ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ آپ اب مُسکرا رہے ہوں گے۔ خیر مسکرا لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور یوں بھی آپ عام طور پر شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ میں آپ کو دو باتیں میں ہنساتا نہیں، اس شکایت کا جواب اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں کوئی فلمی کامیڈین تو ہوں نہیں، نہ ہی ٹی وی مسخرہ ہوں۔ لیکن نہیں، اس جواب کا کوئی فائدہ نہیں۔ بات ہو رہی تھی، سیدھی اُلٹی کلوں کی۔ پتا نہیں، میں آج کلوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہوں۔

اب ایک اور نام سُنیے۔ اس کا نام ہے جمہوریت۔ آپ نے بخوبی محسوس کر لیا ہوگا کہ واقعی اس کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ اگر ہے تو آپ ثابت کر دکھائیں، میں آپ کو مان جاؤں گا۔ کیا مان جاؤں گا۔ یہ بعد میں پوچھیے گا۔ فی الحال ایک آدھ نام اور بیان کرتا چلوں۔ جمہوریت کے بعد فوری طور پر جو نام ذہن میں آتا ہے۔ وہ ہے، نئے نئے مذاہب۔ ان کی بھی کوئی کل مجھے آج تک سیدھی نظر نہیں آئی۔ آپ اب حیران ہونا شروع ہو گئے ہوں گے۔ کہ یہ تو واقعی ایسی چیزوں کے نام گنواتا چلا جا رہا ہے، جن

کہ قطعاً کوئی کل سیدھی نہیں — خیر میں آپ کو زیادہ پریشان نہیں کروں گا — بس ایک آدھ نام اور سن لیں، کیوں کہ یہ بہت ضروری ہے اور اس سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔ آج کل کے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیاں — ان کی بھی کوئی کل سیدھی نظر نہیں آتی۔ کہنے کو یہ درس گاہیں ہیں، لیکن اچانک یہ اسلحہ خانے بن جاتی ہیں۔ ہے کوئی کل سیدھی۔ آپ کو نظر آتی ہو تو ہو۔ کم از کم مجھے تو ہرگز نظر نہیں آتی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میری نظر تو کمزور ہو گئی ہے —

آخر میں ایک نام لیے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ اور وہ نام ہے، ہمارا ملک — ہمارے ملک کی بھی دیکھا جائے تو کوئی کل سیدھی نہیں — اوّل تو اس کی تقسیم ہی سیدھی نہیں ہوئی تھی (۱۹۴۷ء میں) پھر جیسی بھی ہوئی — سیاست دانوں نے اس تقسیم کا بھی حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا — مشرقی پاکستان الگ کر کے رکھ دیا — اب لے دے کے مغربی ٹکڑا بچا ہے — یہ اسے بھی چار ٹکڑوں میں تقسیم کرنے پر تلے ہیں اور اس کام کے لیے دن رات ایک کیا جا رہا ہے — اللہ ہمارے ملک پر رحم فرمائے — آمین! آپ سب بھی مل کر دعا کریں — اور آخر میں ایک بات اور سن لیں — ایک چیز میرے ذہن میں ایسی بھی آ رہی ہے — جس کی ہر کل بالکل سیدھی ہے — ایک بھی کل ایسی نہیں

جو سیدھی نہ ہو — اس چیز کا نام ہے اسلام — کیا خیال ہے آپ کا —

میں نے اب ایک فیصلہ کیا ہے، ہو سکتا ہے، آپ کو میرا فیصلہ ایک آنکھ نہ بھائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اس میں مین میکھ نکالیں یا بُرے بُرے منہ بنانے لگیں — لیکن ان سب کے باوجود اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ خوشی کا اظہار کریں — فیصلہ آپ کو پسند آ جائے — کچھ بھی ہو — میں فیصلہ کر چکا ہوں اور آپ کے علم میں لا رہا ہوں — اور آیندہ اس پر عمل بھی کروں گا، کیوں کہ اس کی ایک خاص وجہ ہے — وجہ بھی بعد میں بتاؤں گا —

پہلے یہ سن لیں کہ فیصلے کی وجہ کیا بنی — ایک خط موصول ہوا، پورے چھ فل سکیپ کا — اسے پڑھنا شروع کیا — خاصا تکلیف دہ خط تھا — کسی غیر مسلم نے مسلم بن کر لکھا تھا — لیکن جب میں اس خط کے آخر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا کہ خط لکھنے والے نے اپنا پتا نہیں لکھا تھا —

آپ خود سوچیں، اس خط کو پڑھنے میں کتنے قیمتی لمحات صرف ہوئے ہوں گے — جب میں اس خط کا جواب ہی نہیں دے سکتا تو پھر لمحات ضائع کرنے کا کیا فائدہ ہوا — ایسے بہت سے خطوط مجھے اکثر ملتے ہیں، مخالفین عام طور پر پتا نہیں لکھتے — لہٰذا میں نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر خط پر پہلے پتا

دیکھوں گا اور پھر اسے پڑھوں گا ۔ جس خط
پر پتا نہیں ہو گا ۔ اس خط کو سرے سے
پڑھوں گا ہی نہیں ۔ کیا خیال ہے آپ کا ۔
فیصلہ پسند آیا یا نہیں ۔ بہرحال نوٹ کر لیں ۔
مخالفین بھی اور موافقین بھی ۔ مخالفین حضرات
یہ جان لیں کہ اس قسم کے خطوط اب سیدھے
ردی کی ٹوکری میں جائیں گے ۔ پھر نہ کہیے
گا ۔ ہمیں خبر نہ ہوئی ۔ اگر آپ میرے مخالف
ہیں ۔ میرے مذہبی رجحان کے مخالف ہیں یا
میری کسی پالیسی سے اختلاف رکھتے ہیں ۔ تو
جو کچھ لکھنا ہے ۔ کھل کر لکھیے ۔ اور نیچے اپنا پتا
بھی تحریر کر دیجیے ۔ میں آپ کے خلاف کوئی
قدم نہیں اٹھاؤں گا ۔ بلکہ بہت ہی مہذبانہ
انداز میں آپ کے خط کا جواب لکھوں گا ۔
یہ آپ کے لیے بھی بہتر ہے اور میرے لیے بھی ۔
آپ کو بھی خط لکھنے کا فائدہ اسی وقت ہو گا
اور میرے ذہن میں بھی آپ کی بات اسی
وقت بیٹھ سکتی ہے ، جب آپ دلائل دے

کر اپنی بات ثابت کر سکیں ۔ اور یہ اسی
وقت ہو سکتا ہے ، میں آپ کی بات کا جواب
آپ کو لکھوں ، آپ اس کا جواب لکھیں ۔
ناولوں کے صفحات میں اگر اتنے لمبے چوڑے گمنام
خطوط شائع کیے جانے لگے تو صفحات ہی ضائع
ہوں گے ۔ حاصل کچھ نہیں ہو گا ۔

اشتیاق

ایسا بھی ہوتا ہے

فرزانہ کی آنکھ اچانک کھل گئی۔ اُس نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں، پھر اپنے دائیں طرف دیکھا، محمود اور فاروق پُر سکون نیند سو رہے تھے، پھر وہ فوراً اُٹھی اور محمود کو شانے سے پکڑ کر ہلایا:
"محمود۔ اُٹھو۔ میں نے کوئی آواز سُنی ہے۔"

"کان بجے ہوں گے۔ سو جاؤ۔" محمود نے کسمسا کر کہا۔

"کیا کہ رہے ہو۔ کان اور میرے بجے ہوں گے۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"سوتے میں دماغ کیسے چل سکتا ہے۔ ہوش کی دوا کرو۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

اب فرزانہ فاروق کی طرف مُڑی:

"محمود تو شاید آج گھوڑے بیچ کر سویا ہے۔ تم ہی اُٹھ جاؤ۔" فرزانہ بولی۔

"میرے پاس بھی کچھ گدھے موجود تھے۔ میں ان کو بیچ کر سویا

تھا۔ لہٰذا تم بھی چین کی بنسری بجاؤ۔ میرا مطلب ہے۔ خواب خرگوش کے مزے لوٹو۔" فاروق نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"تو تم نہیں اٹھو گے؟"

"تمہارے کان دراصل اب بوڑھے ہو گئے ہیں۔ غلط سلط آوازیں بھی ریکارڈ کرنے لگ گئے ہیں۔" فاروق منمنایا۔

"تم دونوں خود ذمے دار ہو گے۔ میں باہر جا رہی ہوں۔"

"کس بات کے ذمے دار۔ جانے سے پہلے یہ بات کانوں میں ڈال جاؤ۔"

"تم جاگ تو رہے نہیں۔ اور بولے جا رہے ہو۔ ہے کوئی تک۔" فرزانہ نے پاؤں پٹخے۔

"اے تم ہمارا کمال سمجھ سکتی ہو، اجازت ہے۔" فاروق مسکرایا۔ آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

"میں اور تم سے اجازت لوں گی۔ ہوش کے ناخن لو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"بھیج لے لوں گا۔ فکر نہ کرو۔"

"تم دونوں سے اللہ سمجھے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

اس نے سمجھنے کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دن ہمیں سمجھنے سمجھانے سے محفوظ ہی رکھے۔ بہت سخت دن

ہو گا وہ۔"

فرزانہ نے پلٹ کر دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور باہر نکل گئی۔

"چلی گئی بے چاری۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ویسے بھئی۔ بات ہے پتے کی۔" محمود بولا۔

"کون سی بات کی بات کر رہے ہو بھائی۔ جو رات کے اس وقت بھی پتے کی ہے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حد ہو گئی۔ میں فرزانہ نہیں ہوں۔ وہ بے بھاؤ کی سناؤں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔" محمود غرّایا۔

"سمجھ گیا۔ تم سونے کے موڈ میں نہیں ہو۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک سمجھے۔ میں نے بھی ایک ہلکی سی آواز سنی تھی، لیکن اگر فرزانہ توجہ نہ دلاتی تو اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔"

"ہائیں۔ یہ بات تم نے پہلے کیوں نہ بتائی۔" فاروق یک دم بیٹھ گیا۔

"کیوں۔ کیا کرتے تم۔ اگر میں پہلے بتا دیتا۔"

"فرزانہ کا ساتھ دیتا اور کیا بھاڑ جھونکتا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"تو اب جا کر ساتھ دینا شروع کر دو۔" محمود نے کندھے اچکا کر کہا۔

"اور تم — تم نہیں نکلو گے؟"

"نہیں — اس لیے کہ نیند بہت پیاری چیز ہے۔"

"اور ابدی نیند کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فاروق مسکرایا۔

"ارے باپ رے۔" محمود گھبرا کر اُٹھ گیا۔

اب دونوں دبے پاؤں باہر نکلے — اپنے والد کے کمرے میں انھیں پوری روشنی نظر آئی۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے — فرزانہ نے ابّا جان کو جگا دیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ضروری نہیں کہ یہ بات ہو۔" محمود نے فکر مندانہ انداز میں کہا اور تیزی سے آگے بڑھا۔

کمرے میں بیگم جمشید اکیلی بیٹھی تھیں۔

"تم لوگ — کیا ہوا امّی جان؟"

"مجھے کیا پتا کیا ہوا ہے — جو کچھ ہونا ہوتا ہے — مجھے بتائے بغیر ہو جاتا ہے — فرزانہ آئی تھی اور جگا کر پوچھ رہی تھی — ابّا جان کہاں ہیں — لیکن انھوں نے کہیں جانے سے پہلے کبھی مجھے بتایا ہے — کہ میں اسے کچھ بتا سکتی۔"

"کیا مطلب — کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جب فرزانہ یہاں آئی ابّا جان اس وقت کمرے میں نہیں تھے۔"

"ہاں اور میں کیا کہنا چاہوں گی۔"

"ارے باپ رے — تب تو گھر میں واقعی کوئی گڑبڑ ہے۔"

اُسی وقت اُنھوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی — وہ تیزی سے اس طرف مُڑے — اُنھوں نے فرزانہ کو اندر آتے دیکھا۔

"ابّا جان باہر بھی نہیں ہیں — اور یہ سب تم دونوں کی وجہ سے ہوا۔"

"کیا مطلب — کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ابّا جان ہم دونوں کی وجہ سے کہیں گئے ہیں۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں — اگر تم فوراً اُٹھ کر میرے ساتھ باہر آ جاتے تو اس وقت ہم ضرور ابّا جان کے ساتھ ہوتے — گیراج میں جیپ نہیں ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اب کیا کریں بھئی — یہ معاملہ تو سنجیدگی اختیار کر گیا ہے۔" محمود نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"کار لے کر ان کی تلاش میں نکلتے ہیں — ہو سکتا ہے — انھوں نے رُخصت سے پہلے کچھ آثار چھوڑے ہوں۔"

انھوں نے بیرونی بلب روشن کر دیا اور ٹارچ بھی لے لی — باہر نکل کر پہلے گیراج کا جائزہ لیا، پھر گھر سے باہر نکل کر دروازے کے آس پاس دیکھا — اسی طرح دیکھتے ہوئے وہ سڑک پر آ گئے — سڑک کے بائیں طرف انھیں اپنے والد کا

رُومال پڑا نظر آیا:

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے۔ یہ رُومال انھوں نے خود گرایا ہو۔"

"خود گرایا ہو۔ یا یہ خود بخود گرا ہو۔ معاملہ دونوں صُورتوں میں خطرناک ہی ہو سکتا ہے۔ ہمیں فوراً اس طرف چلنا چاہیے۔" فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں کار لے کر آتا ہوں۔"

"امّی جان کو بھی بتاتے آنا۔ کہیں وہ زیادہ پریشان نہ ہو جائیں۔"

محمود دوڑ کر گیا اور کار لے آیا۔ اب "تینوں" اس میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

"دھیان رکھنا بھئی۔ ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کوئی اور چیز بھی گرائی ہو۔"

"چیز تو وہ کسی موڑ وڑ پر ہی گرائیں گے۔ یہاں گرانے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔" محمود بولا۔

"نہ فرزانہ وہ آوارہ شخص۔ نہ یہ چکر چلتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا کہ رہے ہو بھئی۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اوہ۔ شاید میرا دماغ ابھی تک نیند میں ہے۔"

"مہربانی فرما کر اسے نیند کی وادی سے باہر لے آؤ۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"آہا! دائیں طرف مُڑنے والی سڑک کے کنارے کوئی چمک دار چیز پڑی ہے۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"اسے بھی دیکھ ہی لیں۔"

محمود نے بریک لگائے۔ اور اس چیز کے قریب رک گیا۔ یہ انسپکٹر جمشید کا لائٹر تھا۔ اس وقت لائٹر اٹھانے کی فرصت انھیں کہاں تھی۔ لہٰذا اسے یُوں کا تُوں چھوڑ کر وہ دائیں طرف مُڑ گئے۔

"ابّا جان نے ہمارے لیے راستا بہت آسان بنا دیا ہے۔"

"اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اگر کسی کی قید میں سفر کر رہے ہوتے تو اس قدر آسانی سے چیزیں نہ گرا سکتے۔ وہ دیکھو۔ اس مرتبہ بائیں طرف مُڑنے والی سڑک کے کنارے کچھ پڑا ہے۔ اوہو۔ یہ تو ان کا قلم ہے۔ انھوں نے ہمارے لیے اپنی قیمتی چیزیں بھی گرا دیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ان حالات میں قیمتی چیزوں کو نہیں دیکھا جاتا۔" محمود نے منہ بنایا۔

اُن کا سفر جاری رہا۔ ہر موڑ پر کوئی نہ کوئی چیز ان کی رہنمائی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک عمارت کے سامنے انھیں جیپ کھڑی نظر آ گئی۔ انھوں نے قدرے فاصلے پر کار روک

لی اور پیدل آگے بڑھے۔ اب اُن کے دل بُری طرح دھڑک رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا، عمارت کے دروازے پر شیخ بھوٹانی لکھا تھا۔

"شیخ بھوٹانی۔ یہ کون ذات شریف ہیں؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہوں گے کوئی۔ تم اندر چلنے کی بات کرو۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

انھوں نے پہلے بیرونی دروازے کا جائزہ لیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ اب وہ پچھلے حصے کی طرف بڑھے۔ فاروق پائپ کو دیکھ کر کھل گیا اور بلا کی رفتار سے چڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی اس نے بیرونی دروازہ کھول دیا اور وہ دونوں بھی اندر داخل ہو گئے۔ اب وہ دبے پاؤں آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ایک روشن کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے۔ جوں ہی انھوں نے باری باری تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا۔ ان کی سٹی گم ہوتی چلی گئی۔

اندر کا منظر بہت روح فرسا تھا۔

★

کھٹکے کی آواز سن کر انسپکٹر جمشید کی آنکھ کھلی تھی۔ ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی بہت تیزی سے باہر کا رُخ کر رہا ہے۔ وہ اچھل کر باہر نکلے۔ گھر سے انھوں نے ایک کار کی سرخ لائٹیں نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھیں۔ انھوں نے بلا کی تیزی سے جیپ نکالی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ پھر اچانک ایک خیال آیا۔ یہ ان کے خلاف کوئی چال بھی ہو سکتا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ وہ ہر موڑ پر اپنی چیزیں گراتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس عمارت تک پہنچ گئے۔ ایک سرخ کار عمارت کے دروازے کے اندر کھڑی تھی — دروازہ کھلا تھا۔ جیسے کوئی بہت جلدی میں اندر گیا ہے۔ وہ مسکرا دیے۔ اب انھیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ ان کے خلاف کوئی چال ہے۔ وہ پُرسکون انداز میں اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر جس کمرے میں انھیں روشنی نظر آئی۔ اس کے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو گئے۔

"خوش آمدید انسپکٹر جمشید۔ شیخ بھوٹانی آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔" ایک کراری آواز نے ان کے پاؤں جکڑ لیے۔

"مجھے یہاں کس خوشی میں بلایا گیا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بلایا گیا ہے۔ اوہ ہاں ٹھیک تو ہے۔ ہم نے آپ کو بلایا ہی تو ہے۔ آئیے۔ تشریف رکھیے۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات

کہیں گے:

"بہت بہتر۔ یہ لیجیے۔ بیٹھ گیا۔ لیکن اگر میرے ساتھ کوئی غلط حرکت کی گئی تو نتیجے کے ذمّے دار آپ خود ہوں گے۔"

"توبہ کریں جی۔ ہم اور آپ جیسے بڑے آدمی کے ساتھ غلط حرکت کریں گے۔ آپ بس تشریف رکھیے۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ کمرے میں دس آدمی تھے اور دس کے دس ہاتھوں میں پستول لیے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹھ جانے پر اسی نے کہا جو اب تک بولتا رہا تھا:

"منجو۔ تم بیرونی دروازہ بند کر آؤ۔"

"او کے باس۔" ایک لمبے قد کے دبلے پتلے آدمی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"کیسی پکڑ ہے دوستو؟"

"بہت سیدھا سادا۔" شیخ جھوٹانی نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"ذرا منجو آ لے۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

"اچھی بات ہے دوستو۔ لیکن یہ کھیل تم لوگوں کو مہنگا ہی پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"سستی چیزیں خریدنے کے ہم بھی عادی نہیں ہیں۔" شیخ جھوٹانی نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور منجو اندر داخل ہوا:

"دروازے بند کر دیے منجو؟"

"یس باس۔"

"اب انسپکٹر جمشید کی تلاشی لو اور جو کچھ ان کے پاس ہے، نکال لو۔" شیخ جھوٹانی نے کہا۔

"بہت بہتر!" منجو نے کہا اور ان کی تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھا۔ وہ اگر چاہتے تو اسی وقت ان سے نبٹ لیتے۔ لیکن انھوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے ـــ کہ چکر کیا ہے۔

منجو نے ان کا پستول اور دوسری چیزیں نکال لیں:

"اور کچھ نہیں ہے باس۔" اس نے کہا۔

"شکریہ منجو۔ اب انھیں باندھ بھی دو۔"

"دیکھو بھئی۔ اب تم لوگ زیادتی پر اُتر آئے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"انسپکٹر جمشید۔ کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔ ہم پر ٹوٹ پڑنے کا پروگرام نہ بنا لینا۔ اپنے ہی خون میں نہا جاؤ گے ـــ ذرا اپنے اوپر بھی دیکھ لو۔"

انسپکٹر جمشید نے چونک کر اُوپر دیکھا۔ دائیں طرف ایک گیلری تھی۔ اور گیلری میں تین آدمی جدید طرز کی گنیں لیے کھڑے تھے

اور وُہ ان تینوں کی زد میں تھے۔

"اگر حرکت کی تو پرخچے اُڑ جائیں گے انسپکٹر جمشید۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔"

اس وقت پہلی بار انسپکٹر جمشید کو خطرے کا احساس ہوا۔ اب تک وُہ اس سارے معاملے کو معمولی خیال کرتے رہے تھے۔ کیوں کہ ان کے خیال میں مجرم زیادہ چالاک یا ماہر نہیں تھے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ نہیں کرتا حرکت۔" انھوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

اب دو آدمیوں نے مل کر انھیں رسیوں سے جکڑ دیا۔

"انسپکٹر صاحب۔ آپ شاید اس خیال سے خوش ہو رہے ہیں کہ ابھی آپ کے بچے یہاں پہنچ جائیں گے اور ہم سے ٹکرا جائیں گے، لیکن ایسا ابھی نہیں ہو گا۔ ہم تم لوگوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ ہم جانتے ہیں ان کے لیے کچھ چیزیں گراتے ہوئے آتے ہو گے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر وُہ یہاں آئیں گے۔ ٹھیک ہے۔ ضرور آئیں، ہم نے ان کے استقبال کی بھی پوری تیاری کر رکھی ہے۔ کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔ وُہ بھی تمھارے جال میں پھنس جائیں گے۔ تو پھر۔ اس کے بعد کیا پروگرام ہے؟"

"ابھی نہیں۔ پہلے تمھارے بچے یہاں آ لیں۔ میرا خیال ہے۔ وُہ

بس آیا ہی چاہتے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید کندھے اُچکا کر رہ گئے۔ دو منٹ بعد ایک آواز اُبھری:

"تم دیکھ چکے ہو۔ تمھارے والد پوری طرح ہمارے قبضے میں ہیں۔ اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دو، خود کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ تمھارے والد کو اسی حالت میں گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔"

ایک منٹ بعد دروازہ کھلا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ہاتھ اُٹھائے اندر داخل ہوئے:

"نہیں۔ بہت افسوس ہے ابا جان۔" فرزانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"ابھی تک انھوں نے بتایا نہیں۔"

"اب بتانے کا وقت آ گیا ہے، لیکن نہیں پہلے ہم ذرا اپنا کام پورا کر لیں۔ منجو۔ تم چار ساتھیوں کو لے جاؤ اور ان کی یہاں آمد کے تمام نشانات مٹا دو۔ تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ کیا کرنا ہے۔"

"جی ہاں، آپ فکر نہ کریں۔"

"میں اس لیے بھی کہہ رہا ہوں نا۔ کہ ان کا ماتحت اکرام بھی کم چالاک نہیں ہے۔ وُہ ضرور ہمارے راستے پر لگنے کی کوشش کرے گا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ ہم خیال رکھیں گے کہ وُہ ہماری گرد کو

بھی نہ پہنچ سکے۔ لیکن باس۔ ہماری واپسی میں دیر لگے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

وُہ ایک لمبا چوڑا اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چہرہ بالکل گول تھا۔ آنکھیں بھی گول تھیں۔ انسپکٹر جمشید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے انھوں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔

"ہاں تو پروگرام کیا ہے؟" انھوں نے سرسری انداز میں کہا۔

"کل تم لوگوں کی ڈیوٹی کسی خاص جگہ لگی ہوئی ہے۔ بھلا کہاں" باس مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید زور سے چونکے۔

"بالکل ٹھیک سمجھے۔ بس ہم چاہتے ہیں۔ تم لوگ وہاں موجود نہ ہو اور ہم اپنا کام آسانی سے کر سکیں۔" اس نے چہک کر کہا۔

"ہوں! میں سمجھ گیا۔ لیکن تم بھی خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہاں صرف ہم لوگوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ وہاں ہم جیسے نہ جانے اور کتنے ہوں گے۔"

"نہیں! تم جیسا ایک بھی نہیں ہوگا۔ ہمیں اصل خطرہ تم سے تھا اور تم پر ہم نے قابو پا لیا ہے۔ اب رہ گئی یہ بات کہ تم لوگ رسیاں توڑ کر بند مکانوں سے بھی نکل جانے کے ماہر ہو۔ سو ہم اس کا بندوبست بھی کر چکے ہیں۔ اوّل تو تم ان رسیوں سے نجات حاصل نہیں کر سکو گے کیوں کہ محمود کے جوتے

کی ایڑی میں سے چاقو ہم ابھی نکال لیں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی طرح تم ان رسیوں سے نجات حاصل کر بھی لیتے ہو تو بھی اس عمارت سے نکل جانا تمھارے بس کی بات نہیں ہو گی۔ یہ عمارت نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہے۔ بلکہ اور بھی بہت سی خصوصیات ہیں اس کی۔ جو تمھیں بعد میں اندازہ ہو جائے گا کہ کہاں آ پھنسے ہو۔ اب ہم چلیں گے۔ ارے ہاں۔ وہ چاقو تو رہ ہی گیا۔ نکال لو بھئی ایڑی میں سے چاقو۔"

ایک نے چاقو نکال لیا اور باس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے بعد وہ کمرے سے نکل گئے اور دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ پھر انھوں نے بیرونی دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سُنی:

"یہ کیا ہوا ابا جان؟"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔" وُہ مسکرائے۔

"کل آپ کی ڈیوٹی کہاں لگی ہوئی ہے؟"

"نہ صرف میری۔ بلکہ تمھاری بھی۔"

"لیکن آپ نے تو ہمیں بتایا ہی نہیں تھا۔"

"میں نے سوچا تھا۔ عین وقت پر بتا دوں گا۔" وُہ بولے۔

"آخر کیا ڈیوٹی ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے؟"

"دوست ملک کی طرف سے بیرونی امداد آ رہی ہے۔ سونے کی سلاخوں کی ایک بڑی پیٹی جہاز سے اتار کر سٹیٹ بینک تک

لائی جائے گی۔ ہمیں پیٹی اُترنے سے سٹیٹ بنک تک پہنچائی جانے تک اس کے ساتھ ساتھ رہنا تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکے گا۔"

"اوہ۔ تو کیا یہ لوگ وہ پیٹی اڑانے کا منصوبہ بنا چکے ہیں"

محمود دھک سے رہ گیا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

کمرے میں موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔

ذکر کر چکا ہوں

بیگم جمشید نے صبح تک اُن کا انتظار کیا۔ وہ انسپکٹر جمشید کی عادات سے بہت اچھی طرح واقف تھیں، اگر وہ خیریت سے ہوتے اور دیر لگنے کا امکان ہوتا تو ضرور فون کرتے؛ چنانچہ انھوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو اکرام۔ تمھارے صاحب اور بچے شاید کسی مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ فوراً آؤ۔"

"ابھی آیا بھابی۔" اکرام نے تیز آواز میں کہا۔

اب انھوں نے خان رحمان کے نمبر ملائے۔ جوں ہی انھوں نے بات بتائی، انھوں نے بھی یہی کہا:

"ابھی آیا۔"

پروفیسر داؤد نے ان کی بات سن کر فوراً کہا:

"ریسیور رکھتے ہی روانہ ہو رہا ہوں بھابی۔ فکر نہ کریں۔"

سب سے پہلے اکرام ہی ان تک پہنچا۔

"جلدی سے حالات سُنا دیں۔"

"سُنانے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ رات ایک بجے کے قریب وہ کوئی آواز سُن کر بیدار ہوئے تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے کسی کے باہر کی طرف جاتے قدموں کی آواز سُنی، بس وہ دوڑ پڑے۔ ان کے بعد محمود، فاروق اور فرزانہ میرے پاس آئے، کیوں کہ انھوں نے بھی آواز سُن لی تھی؛ چناں چہ وہ بھی کار لے کر اس سمت میں نکل گئے۔ اور اب تک نہیں آئے نہ ان کی طرف سے خیریت کی کوئی خبر ملی۔"

"ہُوں۔ آپ یہ تو بتا ہی سکتی ہیں۔ وہ کس سڑک پر گئے تھے؟"

"جب محمود، فاروق اور فرزانہ نکلے، اس وقت مجھے خیال آیا تھا۔ کم از کم ان کے جانے کی سمت تو دیکھ لوں۔ بس میں چھت پر چڑھ گئی تھی۔ اور انھیں جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ [illegible] سڑک پر گئے تھے۔"

"شکریہ بھابی۔ میں جا رہا ہوں۔ اور ان شاء اللہ ان کے ساتھ لوٹوں گا۔"

انسپکٹر اکرام تو نکل گیا۔ اس کے جانے کے ایک منٹ بعد خان رحمان اور پروفیسر داؤد ایک ساتھ وہاں پہنچے۔ انھوں نے بھی جلدی جلدی بات سنی اور بولے:

"ٹھیک ہے۔ ہم بھی جا رہے ہیں۔ جلد لوٹیں گے اور اللہ نے چاہا تو وہ بھی ساتھ ہوں گے۔"

وہ بھی چلے گئے تو ایک بار پھر ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو بیگم شیرازی کھڑی نظر آئیں:

"خیر تو ہے بہن۔ مجھے بھی میں نے تین گاڑیوں کے آنے کی آواز سنی ہے۔"

"آپ نے اچھا کیا آ گئیں۔ میں ذرا تنہائی محسوس کر رہی تھی۔ حالاں کہ ایسے حالات کی عادی ہوں۔" انھوں نے فکر مندانہ انداز میں کہا اور ساری بات بتا دی۔

"تب تو ان کی واپسی تک میں یہیں ٹھہروں گی۔"

دونوں صحن میں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ اچانک ان کے ...ارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ان کے سامنے ایک سیاہ پوش ...ا تھا۔ جو ابھی ابھی زینے کے راستے ان تک پہنچا تھا۔ آخر بیگم ...نے پُر سکون آواز میں کہا:

"کون ہیں آپ اور یہ کسی کے گھر میں داخل ہونے کا کون طریقہ ہے؟"

"میں اسے جدید طریقہ کہا کرتا ہوں۔ اگرچہ آپ کے لیے یہ پرانا طریقہ ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

"آپ کا بیٹا فاروق بھی تو دوسروں کے گھروں میں اسی طرح داخل ہوتا ہے۔"

"اوہ — تو تم یہ بھی جانتے ہو۔" ان کے لہجے میں حیرت دَر آئی —

"صرف یہی نہیں — میں تو اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں — اپنے شوہر اور بچوں کے لیے فکر مند نہ ہوں — وہ جہاں بھی ہیں — خیریت سے ہیں اور ایک مجبوری کی بنا پر لوٹ کر نہیں آ سکتے — ہاں! کل واپس آ جائیں گے۔"

"لیکن انھوں نے فون کیوں نہیں کیا۔"

"وہ فون کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں — اسی لیے انھوں نے مجھے ادھر بھیجا ہے — میں جانتا تھا — آپ اکرام، خان رحمان اور پروفیسر داؤد صاحبان کو یہاں بلائیں گی اور پھر وہ ان کی تلاش میں نکل جائیں گے — اس لیے میں چھت پر انتظار کرتا رہا — جب وہ نکل گئے، اس وقت میں نے زینے کا رُخ کیا، لیکن پھر گھنٹی کی آواز نے مجھے اترنے سے روک دیا اور میں ان محترمہ کے آ جانے کے بعد آپ کے سامنے آیا، اُمید ہے، آپ بُرا نہیں مانیں گی۔" اس نے کہا۔

"آخر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"ہاں! یہ بات ہوئی نا — میں شیخ سمجھاتا ہوں — آپ کے شوہر اور بچے اس وقت میرے قبضے میں ہیں — آپ کے گھر میں ایک فائل موجود ہے — مجھے اس فائل کی ضرورت ہے — آپ مجھے وہ فائل لے جانے دیں — اس کا شاندار نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل آپ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ یہاں اطمینان سے بیٹھی رہی ہوں گی۔"

"غلط کہتے ہو — فائل کی گمشدگی کے بعد وہ اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے۔" بیگم جمشید نے جھلا کر کہا۔

"ہوں — خیر — یہ بھی ٹھیک ہے — لیکن مشکل یہ ہے کہ اس وقت فائل میرے لیے بے کار ہو چکی ہو گی اور وہ یہاں فائل سمیت موجود ہوں گے — اب آپ کیا کہتی ہیں؟"

"اس صورت میں بھی وہ تمھاری تلاش میں سرگرداں ہوں گے۔" وہ بولیں۔

"مجھے اس کی ایک رتی بھر پروا نہیں — کیوں کہ وہ مجھ تک تو کیا — میرے رشتوں تک نہیں پہنچ سکیں گے — ہاں تو میں فائل کا ذکر کر رہا تھا — مجھے اس کی بہت ضرورت ہے — اس کے بغیر میری کامیابی کے امکانات پچاس فیصد رہ جائیں گے اور اگر فائل میرے پاس ہو گی تو میرا کام بہت آسان ہو گا — لہذا فائل مجھے دے دیں۔"

"میں نہیں جانتی — تم کس فائل کی بات کر رہے ہو — وہ
اپنی چیزوں کے بارے میں کبھی مجھے نہیں بتاتے۔"

"کوئی بات نہیں — تلاش کر لینا میرا کام ہے — آپ بس
دخل اندازی نہ کریں — ایک بات تو یہ کہ میرا نشانہ بہت
ہی عمدہ ہے — دوسرے یہ کہ میرا پستول بھی بالکل بے آواز
ہے — تیسری بات یہ کہ یہ پستول ہے بھی اور قسم کا — اس
میں سے گولی کے بجائے شعاع نکلتی ہے — اور سامنے
موجود آدمی کو شعاع لگے نہ لگے — اس کی چمک دیکھ کر
وہ ایک گھنٹے کے لیے اندھا ضرور ہو جاتا ہے — اور اگر شعاع
جسم کو چھو جائے تو اس حصے میں اس قدر شدید جلن ہوتی
ہے کہ کیا بتاؤں — یہ جلن چوبیس گھنٹے تک رہے گی — تب
کہیں جا کر غائب ہو گی — اب اگر آپ یہ تکالیف اٹھانے کے
قابل ہوں تو ضرور حرکت کریں — واضح رہے کہ مجھے صرف ٹریگر
دبانا ہو گا — اور بس — ویسے اگر آپ پسند کریں تو میں تجربے
کے طور پر آپ کی اس میز کے ایک کونے پر فائر کر رہا ہوں
تاکہ آپ جان لیں — میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

یہ کہہ کر اس نے بلا کی تیزی سے میز کے کونے پر
فائر کر دیا — پستول سے واقعی شعاع نکلی اور غائب ہو گئی —
اچانک میز سے دھواں اٹھا اور اس کا ایک کونا غائب ہو

گیا —

بیگم جمشید اور بیگم شیرازی کانپ گئیں۔

"اب آپ معزز انسپکٹر جمشید والے کمرے میں چلیں — شاباش — ذرا
سی غلطی کی تو آپ کو وقتی طور پر اندھا کر دے گی یا آپ
کے جسم کا کوئی حصہ میز کے کونے کی طرح غائب ہو جائے گا —
میز کا کونا تو تیر بھر بھی لگ جائے گا — لیکن آپ کے جسم
کا جو حصہ غائب ہو گا — وہ حصہ — جسم کے لیے کہیں سے
نہیں مل سکے گا — کیا خیال ہے آپ کا؟"

"یہ کہ تم بولتے بہت ہو۔" بیگم جمشید مسکرائیں۔

"ہاں! اب آپ سیدھے راستے پر آ گئی ہیں — اس مسکراہٹ
کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جان لیا ہے کہ آپ بالکل بے بس
ہیں — اور میرے مقابلے میں کچھ نہیں کر سکتیں — لہٰذا کمرے
کی طرف چلیں۔"

وہ اس کے آگے چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئیں —
[illegible] کو دکھائی نہیں دے رہا تھا — تجوری کے نزدیک پہنچ کر اس نے
انھیں دیوار سے لگ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا — پستول کی نال
[illegible] ان کی طرف تھی —

"ہاتھ بھی سروں سے بلند کر دو — تاکہ میں اطمینان سے اپنا
کام کر سکوں۔"

انھوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے — اب اس نے بائیں ہاتھ
چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور تجوری پر ایک ایک چابی آزمانے لگا —
اچانک کلک کی آواز آئی اور تجوری کا تالا کھل گیا — بیگم جمشید
بہت حیران ہوئیں — کیوں کہ تالا بہت خاص قسم کا تھا — اور
کسی دوسری چابی سے نہیں کھل سکتا تھا —

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں — میرے سامنے بڑے سے
بڑا تالا بھی نہیں ٹک سکتا:" وہ ہنسا۔

سامنے ہی ایک فائل رکھی تھی — اس نے اس کا نمبر پڑھا
فائل اٹھا لی — اس کی چہکتی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی
"بھئی واہ — کس قدر آسانی سے میں نے فائل حاصل کر لی
بس ذرا سی عقل استعمال کرنے کی ضرورت تھی — اگر میں انسپکٹر جمشید
اور بچوں کی موجودگی میں یہ فائل حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو
گڑبڑ ہو سکتی تھی — لیکن میں احمق نہیں ہوں — میں نے پہلے ان
اپنے اڈے پر پہنچایا — پھر یہاں آ کر بھی اپنا کام شروع نہیں کیا
خان رحمان، پروفیسر داؤد اور اکرام کے جانے کا انتظار کرتا رہا
اس طرح میری کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے — لیجیے — یہ رہی
فائل ہے — جس کی مجھے ضرورت تھی — اب میں جا رہا ہوں —
آپ کے شوہر اور بچے اس فائل سمیت یہاں موجود ہوں گے — لیکن
اگر میرے راستے کی دیوار بننے کی کوشش کی گئی تو میں ان کو

زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں دے سکوں گا — ایک بات یاد رکھیے
شیخ ہیرانی جو کہتا ہے، کر کے دکھا دیا کرتا ہے — اور اب آپ
دونوں ایک گھنٹے کے لیے بے ہوش ہو جائیں — اور ابھی بھی:"
ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبا دیا — دو گھٹی گھٹی
چیخیں ابھریں — اور وہ گرتی چلی گئیں —

○

"کیا اب ہم اپنا پروگرام شروع کریں۔" محمود نے شیخ ہیرانی اور
اس کے ساتھیوں کے جانے کے بعد کہا۔
"پروگرام کس طرح شروع ہو سکتا ہے — جب کہ وہ حضرت
ہمارا چاقو بھی ساتھ لے گئے ہیں:" فاروق نے جل بھن کر کہا۔
"اور یہ عمارت بھی ساؤنڈ پروف ہے:" فرزانہ بڑبڑائی۔
"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس طرح آرام کرتے رہیں:"
محمود نے انھیں گھورا۔
"ہاں! یہ ٹھیک ہے — ہمیں ہاتھ پیر ہلانا ہوں گے — ان رسیوں
سے آزاد ہونے کی کوشش شروع کر دو — ورنہ آج نہ جانے کیا ہو
جائے گا:"
"اس پیٹی میں سونا کتنا ہو گا ابا جان:"

"اس بات سے ہمیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے بھلا — بیٹی بہت بڑی
ہے اور اس میں ہزاروں سلاخیں ہوں گی — ہمیں اس جگہ قید کرنے کا
مطلب یہی ہے کہ وہ راستے میں سے بیٹی اڑائیں گے — لیکن ان
کے لیے یہ کام بہت مشکل ثابت ہو گا — کیوں کہ..." وہ کہتے
کہتے رک گئے۔

"مشکل ہو گا — کیا مطلب؟"

"اس سارے پروگرام کی فائل تو میرے پاس محفوظ ہے — میری
تجوری میں — جب تک ان لوگوں کے پاس وہ فائل نہ ہو — وہ اپنے
منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"اوہ! بہت خوب — تب تو ہمیں زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیے"
محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں خیر — فکر مند تو ہونا چاہیے — آخر وہ قومی خزانہ ہے"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کے ہاتھوں کی کیا پوزیشن ہے؟"

"ہم مجرموں نے بہت کاری گری سے باندھے ہیں — مسلسل کوشش
کے باوجود میں ابھی تک رسی کے بلوں میں ذرا بھی ڈھیلا پن پیدا
نہیں کر سکا۔"

"تو پھر اپنے ہاتھ میرے منہ کی طرف لائیے — میں اپنے دانت
آزماؤں گا" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اور کیا — اس کے دانت تو چوہے کے دانتوں سے بھی زیادہ تیز
ہیں!"

"اے خبردار — ہم انسان ہیں — اور تم چوہوں سے مقابلہ کر رہے
ہو" فرزانہ نے ہانک لگائی۔

"نہیں اگر کرو گے تو اسے کھولنے کا کام نہیں کر سکو گے۔
محمود میری رسیوں پر دانت آزمائے گا — فاروق تم محمود کی رسیوں
پر جٹ جاؤ اور فرزانہ تمھاری پر۔"

"اور وہ گئی، میں —"

"نہیں — تم بھی نہیں رہو گے — ہم دائرے کی صورت میں
کام کریں گے — اس طرح میرا منہ تمھاری رسیوں پر ہو گا"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بہت خوب" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

وہ کھسک کر دائرے کی شکل میں آ گئے — ان کے ہاتھ
کمر پر بندھے تھے — اور پیر بھی ہاتھوں کے ساتھ پیچھے کی
طرف باندھے گئے تھے — اس طرح وہ مچھلیاں سی بنے پڑے
تھے — آخر انھوں نے اپنے دانتوں سے کام لینا شروع کیا —
جلد ہی انھوں نے محسوس کر لیا کہ انھیں باندھنے کے لیے جو رسی
استعمال کی گئی ہے — وہ کوئی عام رسی نہیں ہے — عام رسی
کے ٹکڑے ہی تو زیادہ سے زیادہ دو منٹ لگتے — لیکن یہاں پندرہ

منٹ بعد بھی کامیابی کے دور دور تک آثار نہیں تھے۔

"اس بار تو ہم شاید سچ مچ ہی پھنس گئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ نے کہا

"صبر بھئی۔ مایوسی گناہ ہے۔ اگر انسان پہلے ہی ناکامی کو ذہن میں بٹھا لے تو کامیابی بہت دور چلی جاتی ہے۔ میں اب بھی پُر امید ہوں کہ ہم ان رسیوں کو کھول لیں گے۔ ان شاء اللہ۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب۔ محمود۔ اس وقت انھی الفاظ کی ضرورت تھی۔ اور بعض اوقات الفاظ وہ کام کر جاتے ہیں جو چاقو اور دانت نہیں کر سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"ہیں۔ تو کیا آپ الفاظ کے ذریعے ان رسیوں کو کھولیں گے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں۔ لیکن اس قسم کے الفاظ وہ حوصلہ پیدا کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑا مشکل کام بھی انجام پا جاتا ہے۔ مثلاً میں فرزانہ کی اوپر والی گرہ کھول چکا ہوں۔"

"کیا!" تینوں چلائے۔

یہ پہلی کامیابی تھی۔ جو انھیں حاصل ہوئی تھی۔ ورنہ اب تک تو ناکامی ہی پلے پڑتی رہی تھی۔

"اب تو بن گیا کام۔"

"نہیں۔ میرا خیال ہے۔ کام اگر بنا تو بھی اس میں قریباً ۲ گھنٹے تک لگ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کوئی بات نہیں ابا جان۔ ہمیں یہاں اور کرنا بھی کیا ہے۔"

۲ گھنٹے تک مسلسل دانت آزمانے کے بعد آخر انسپکٹر جمشید فرزانہ کی رسی پوری طرح کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب کہ وہ تینوں ایک گرہ بھی نہیں کھول سکے تھے۔ اس قسم کی رسیوں سے ان کا واسطہ پہلی مرتبہ پڑا تھا۔

"آخر ہم نے میدان مار لیا۔" فرزانہ چہکی۔

"ابھی کہاں فرزانہ۔ ابھی تو تمھیں ہماری رسیاں کھولنا ہیں۔ اگر تمھارے دانت ناکام رہے ہیں تو انگلیاں بھی کام نہیں کر سکیں گی۔ اس کے لیے تو کسی چاقو وغیرہ کو ہی کام میں لانا ہوگا۔ لیکن چاقو یہاں ملے گا نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی حاصل کر ہی لوں گی۔"

فرزانہ کے پاؤں ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ پاؤں کی گرہیں باقی تھیں۔ اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید صرف ہاتھ کھول سکے تھے۔ فرزانہ نے ادھر ادھر گھسٹنا شروع کیا۔ کمرے کا دروازہ

بھی باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ لہذا اسے جو کچھ تلاش کرنا تھا۔ کمرے کے اندر سے ہی تلاش کرنا تھا۔ ایسے میں اسے آتش دان پر ایک فریم شدہ تصویر رکھی نظر آئی۔ تصویر قدرتی منظر کی تھی۔ اس نے نصف دھڑ سے اوپر اُٹھ کر آتش دان کو پکڑ لیا۔ اور ہاتھ مار کر فریم کو فرش پر گرا دیا۔ جونہی فریم فرش پر گرا۔ اس کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ شیشے کا ایک ٹکڑا لے کر فرزانہ نے اپنے پاؤں والی رسی پر چلانا شروع کیا۔ اس مرتبہ کامیابی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اسی تیزی سے کٹتی چلی گئی۔ جلد ہی اس کے پاؤں آزاد تھے۔

اب اس نے اپنے والد کی رسیاں کاٹیں۔ اور پھر محمود اور فاروق کی۔

"شکر ہے۔ ان رسیوں سے تو نجات ملی۔"

"ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل کر گھر پہنچنا ہے۔ دن نکلنے سے پہلے پہلے صبح کی مہم کی تیاری کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے

چاروں کمرے کے دروازے سے ٹکرائے۔ لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ تین چار ٹکروں کے بعد وہ رک گئے۔

"ان رسیوں کی طرح اس عمارت کے دروازے بھی شاید خاص قسم کی لکڑی کے بنائے گئے ہیں۔ کاش وہ لوگ چاقو نہ لے جاتے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"آپ نے دیسے تک ہمارے لیے یہ روشن دان رہ جاتا۔ لیکن اس تک پہنچنے کے لیے یہاں کوئی چیز نظر نہیں آ رہی۔ انسانی بلندی بھی روشن دان تک نہیں جا سکے گی۔ چھتیں بہت اونچی ہیں، اور اسی مناسبت سے روشن دان بھی بہت اونچے ہیں، اگر کسی طرح ہم روشن دان تک پہنچ جائیں تب بھی دوسری طرف کودنا آسان کام نہیں ہو گا۔ ہڈی پسلی ایک ہو سکتی ہے۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"یہ لوگ کچھ سوچ سمجھ کر ہی ہمیں اس عمارت میں لائے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

عین اسی وقت ایک عجیب سی کھٹک کھٹک کی آواز ابھری۔ انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم۔ تم نے یہ آواز سنی؟"

"ہاں! اور جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ یہ آواز جدید طرز کے اور کار ٹیپ ریکارڈر کی ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ٹھیک سمجھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اس وقت تک کی گفتگو نہ صرف یہ کہ ٹیپ ہو چکی ہے۔ بلکہ سنی بھی جا چکی ہے۔ اور۔ اور۔ اور۔"

انسپکٹر جمشید یک دم خاموش ہو گئے۔ ان کے چہرے پر

خوف پھیل گیا۔

"لک ــ کیا ہوا ابا جان" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ ــ میں ــ اس گفتگو میں اس فائل کا ذکر کر چکا ہوں۔"

"اوہ!"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

* * *

مینار

چند لمحے تک کمرے میں موت کا سناٹا طاری رہا، پھر محمود نے سرسراتی آواز میں کہا:

"اس کا مطلب ہے ــ شیخ جھونانی یہاں سے گیا نہیں تھا ــ اس نے باہر کہیں رک کر ہماری گفتگو سنی ہے، اور اب وہ فائل حاصل کر لے گا۔"

"ہاں! اگر ہم یہاں سے نہ نکل سکے تو یہی ہو گا ــ اور اگر اس نے فائل حاصل کر لی تو پھر سونے کی سلاخوں کی وہ بڑی پیٹی ان کے ہاتھ لگ سکتی ہے۔"

"تب تو ہمیں اپنی کوششیں تیز کر دینی چاہییں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ کس چیز سے تیز کر دیں ــ ہمارے پاس تو کوئی چاقو بھی نہیں ہے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"آج تو بار بار چاقو یاد آ رہا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"اور اس کی کمی سبھی محسوس ہو رہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ویسے بھئی — اب تم اس کے رکھنے کی جگہ تبدیل کر دو۔ ہر کوئی واقف ہو چکا ہے اس جگہ سے۔"

"ارے — مگر —" فرزانہ چونک کر بولی۔

"اللہ اپنا رحم کرے — یہ ارے — مگر کہاں سے ٹپک پڑا۔" فاروق گھبرا گیا۔

"مجھے یہ خیال آیا ہے کہ محمود کے جوتے کی ایڑی سے اگر مجرموں نے چاقو نکال لیا تو کیا ہوا — فاروق کی جیب سلامت ہے آخر اس میں سے بھی تو کوئی کام کی چیز مل سکتی ہے۔"

"بہت خوب۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے — پھر فاروق کی طرف مڑے۔

"جیب الٹ دو بھئی — ایک ایک چیز نکالنے لگے تو بہت وقت ضائع کرو گے۔"

"جی بہتر ابا — لیکن مجھے برا مان نہ جائیے۔" فاروق بولا۔

"بھلا برا نہ مان جائے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یعنی جیب۔"

"اچھے ہو یا دوں ایک ہاتھ۔" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"شکریہ — فی الحال ہاتھ کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے جیب الٹ دی —

ان گنت چھوٹی چھوٹی چیزیں باہر نکل پڑیں — وہ ان کا جائزہ لینے لگے — ان میں پنسل تراش، پنسل، ماچس، پنیں، باریک ڈوری، کریم، لائٹر، ماچس، چند سکے، ریڈی میڈ میک اپ کا سامان — اور اس قسم کی کچھ اور چیزیں شامل تھیں —

"میرا خیال ہے — موجودہ صورت حال میں تو ہم ان چیزوں کا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"بھئی پہلے غور کرو —" انسپکٹر جمشید ان چیزوں پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔

انھوں نے بھی ایک ایک چیز کو دیکھنا شروع کیا — اچانک فرزانہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ہو سکتا ہے — یہ روشن دان باہر کی طرف کھلتا ہو۔"

"تو پھر — اس سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"ابھی بتاتی ہوں —" یہ کہہ کر فرزانہ نے باریک ڈوری اٹھا لی — اس میں اس نے لائٹر کو مضبوطی سے باندھا، پھر ایک کاغذ پر الفاظ لکھے — ہم یہاں قید ہیں، ہماری مدد کی جائے — اس کاغذ کو لائٹر کے اوپر لپیٹ کر اسے بھی ڈوری کے ایک سرے سے باندھ دیا، اس طرح کہ الفاظ بھی صاف نظر آتے رہیں —

"ہاں — روشن دان کھلا ہے — اور یہ ہم باہر کی

طرف اچھال سکتے ہیں ــ کیا خیال ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اس میں شک نہیں کہ ترکیب بہت جاندار ہے، لیکن یہ اس صورت میں کارآمد ہو سکتی ہے ــ جب روشن دان گھر سے باہر کی طرف کھلتا ہو۔"

"ہوں! کوشش تو کر ہی لینی چاہیے ــ ان چیزوں کو کمرے میں رکھ کر بھی ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ــ اور پھر اگر روشن دان باہر کا نہ ہوا ــ تو بھی ہم لائٹر کو واپس کھینچ لیں گے"

"میرا بھی یہی خیال ہے ــ لاؤ ــ میں اسے باہر کی طرف اچھال دوں۔"

انسپکٹر جمشید پیچھے ہٹ گئے ــ انھوں نے رسی سے بندھے لائٹر کو جھولا دینا شروع کیا ــ پھر اچانک انھوں نے رسی کو چھوڑ دیا ــ لائٹر سیدھا روشن دان کی طرف گیا ــ اور اس میں سے نکل کر دوسری طرف گرتا چلا گیا ــ ڈوری باریک تھی ــ اس کا وزن بہت کم تھا ــ اسی لیے لائٹر نے ڈوری کو کھینچ لیا۔

"اب ہمیں انتظار کرنا ہو گا ــ" محمود بولا۔

"اور انتظار کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرنا ہو گی کہ یا اللہ کسی راہگیر کی نظر اس پر پڑ جائے" فرزانہ نے کہا۔

"آمین!" محمود اور فاروق ایک ساتھ بولے۔

انسپکٹر جمشید مسکرا کر رہ گئے ــ اسی وقت رسی تن

گئی ــ وہ چونک اٹھے ــ دل دھک دھک کرنے لگے۔

"اوہ ــ اس کا مطلب ہے ــ کسی نے بندھے ہوئے لائٹر کو پکڑ لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے رسی پکڑ لی۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیجیے پھر ــ بن گیا کام۔" محمود پرجوش انداز میں بولا۔

اچانک رسی کو ایک دو ہلکے سے جھٹکے مارے گئے ــ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ رسی کھینچ لی جائے ــ انسپکٹر جمشید نے آہستہ آہستہ رسی کو کھینچنا شروع کیا ــ آخر لائٹر نیچے آ گرا ــ انھوں نے دیکھا ــ اس کاغذ کے نیچے لکھا تھا:

"شکریہ جناب ــ یہ روشن دان باہر کی طرف نہیں ــ عمارت کے اندر ہی کھلتا ہے ــ اور عمارت کے اندر پاس کے لوگ موجود ہیں ــ لہذا ہم آپ کی درخواست پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔"

○

ان کے چہرے پیلے پڑ گئے ــ ان کا خیال غلط ہو گیا ــ شیخ جھونانی کوئی عام مجرم نہیں تھا ــ وہ پہلے ہی منصوبے کے ہر پہلو پر غور کر چکا تھا۔

"یہ قید خانہ ہمارے لیے بہت سخت ثابت ہوا ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"تم دونوں اپنے بنیان نکال کر فرش پر ڈھیر کر دو۔" انسپکٹر جمشید نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"جی بنیان — وہ کیوں؟"

"جلدی کرو۔" وہ بولے۔

دونوں نے بنیان نکال دیے۔ انسپکٹر جمشید نے بھی اپنا بنیان نکال دیا — تینوں کو ایک جگہ رکھ کر آگ لگا دی گئی — دھواں اٹھنے لگا اور روشن دان سے خارج ہونے لگا —

"اب دروازہ پیٹنا شروع کر دو — عمارت اگر واقعی ساؤنڈ پروف ہے، تب بھی دروازے کی دھمک باہر موجود لوگ ضرور سنیں گے اور انھیں روشن دان سے نکلنے والا دھواں بھی ضرور نظر آئے گا — لہٰذا وہ یہی خیال کریں گے کہ کمرے میں آگ لگ گئی ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے — اور آج شاید ہمارے خیالات غلط ہونے کا دن ہے۔" محمود بولا۔

"ہم یہاں سے نکلنے تک — اگر ہم باہر نہ نکل سکے — تو وہ پینٹنگ اڑا لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے — اور اگر ایسا ہو گیا تو یہ اچھا نہیں ہو گا — وہ قومی خزانہ ہے — قومی خزانہ بھی تھوڑا بہت

نہیں۔"

"لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ان لوگوں کو معمولی قسم کے مجرم خیال کر بیٹھے — ورنہ ہم تو ان سے راستے میں بھی نمٹ سکتے تھے۔"

"اوہ" فاروق بڑبڑایا۔

کافی دیر تک دروازہ پیٹتے رہنے کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا — آخر وہ تھک کر فرش پر بیٹھ گئے — تینوں بنیان جل کر راکھ ہو چکے تھے — دھواں ابھی تک روشن دان سے نکل رہا تھا —

"عمارت بھی شہر کے ایک طرف — اور کافی دور — اُف! انھوں نے ہماری آمد کے آثار بھی مٹا دیے ہیں — بیگم نے اکرام، خان رحمان اور پروفیسر صاحب کو اطلاع تو ضرور دی ہو گی اور یہ لوگ ہماری تلاش میں شہر کی خاک بھی چھان رہے ہوں گے، لیکن امید نہیں کہ وہ ہم تک پہنچ سکیں گے — شیخ جھوانی کی عمارت کی طرف بھی کوئی اس قسم کا چکر ضرور چلایا ہو گا — کہ وہ لوگ عمارت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔"

"اس کا مطلب بھی نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔"

"ہاں! فرزانہ اپنی عقل کو آواز دو — ہم کیا کریں — کیا کر سکتے ہیں۔"

فرزانہ سوچ میں گم ہو گئی — وہ ایک مضبوط ترین کمرے میں بند تھے — اس کمرے کا صرف ایک دروازہ اور ایک روشن دان تھا — روشن دان بہت اونچائی پر تھا — اور دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ ٹکریں مار مار کر تھک چکے تھے — کمرے میں کوئی ایسا سامان بھی نہیں تھا — جس کی مدد سے نکلنے کی کوشش کی جا سکتی تھی — ان حالات میں وہ کیا ترکیب سوچ سکتی تھی — اس کے باوجود وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے — آج فرزانہ کا دماغ بھی صاف جواب دے دے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کبھی مایوسی کی باتیں نہیں کرنا — اگر حوصلہ دلانے والی باتیں بھول گئے ہو تو خاموش تو رہ سکتے ہو نا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اس قسم کے حالات میں خاموشی ایک زہر بن جاتی ہے — اور میں یہ زہر یہاں نہیں پھیلا سکوں گا۔" فاروق مسکرایا۔

"شکر ہے — تم بچ گئے ہو — ورنہ میں تو یہی خیال کر بیٹھا تھا کہ تم پھلجھڑیاں بھول گئے ہو۔"

"پھلجھڑیاں بھولیں ہمارے دشمن۔" فاروق نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔

"ابا جان — کچھ بھی ہو — ہم روشن دان تک پہنچنے کی ضرور کوشش کریں گے — چاہے دوسری طرف نہ کود سکیں۔" فرزانہ نے

اچانک کہا۔

"لیکن پھر روشن دان تک پہنچنے کا کیا فائدہ ہو گا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"فائدہ ہو یا نہ ہو — ہمیں آخر کچھ نہ کچھ تو کرتے رہنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! واقعی — ٹھیک تو ہے — لیکن ہم انسانی سیڑھی بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں — ہم صرف چار ہیں — لہٰذا ہمیں انسانی مینار بنانا پڑے گا — اور انسانی مینار بنانا، خطرہ مول لینے کے برابر ہے۔"

"یہ خطرہ مفت تو ملتا نہیں — کیا کیا جائے۔" فاروق نے ... آواز میں کہا۔

"زیادہ سے زیادہ یہی ہے نا کہ ہم میں سے کسی کو چوٹ لگ جائے گی — تو کیا ہوا — آئیے۔" فرزانہ بولی۔

انسپکٹر جمشید روشن دان کے نیچے بیٹھ گئے — محمود ان کے کندھوں پر پاؤں جما کر بیٹھ گیا — اب فاروق نے پہلے ایک پاؤں اپنے ... کے کندھے پر رکھا پھر دوسرا محمود کے کندھے پر اور اس طرح ... پاؤں بھی اٹھا کر محمود کے کندھے پر رکھ لیا — اب فاروق محمود کے کندھوں پر پاؤں جما کر بیٹھ چکا تھا — آخر فرزانہ حرکت میں آئی — وہ پاؤں رکھتے فاروق کے کندھوں پر جا پہنچی —

"بسم اللہ کیجیے ابا جان — میں تیار ہوں۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگے، یہاں تک کہ بالکل سیدھے ہو گئے — اب محمود اٹھنے لگا، پھر فاروق کی باری آئی، آخر میں فرزانہ اٹھنے لگی — یہ آسان کام نہیں تھا — ایک ایک انچ کر کے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی — پھر اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے — ہاتھ روشن دان تک جا پہنچے — اس نے روشن دان کی چوکھٹ مضبوطی سے پکڑ لی —

"میں نے چوکھٹ پکڑ لی ہے اور اب پاؤں فاروق کے کندھوں پر سے اٹھا رہی ہوں۔"

"اوہ!" تینوں ایک ساتھ بولے۔

جونہی فرزانہ کے پاؤں اٹھے — فاروق نے اس پر چھلانگ لگا دی — یہی محمود نے کیا:

"میں سے میں دوسری طرف کود رہی ہوں۔" فرزانہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا — اب وہ روشن دان میں تھی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اونچائی زیادہ ہے — دوسری یہ کہ اس طرف شیخ بھوتانی کے ساتھی موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ دونوں باتیں تو انسانی مینار بنانے سے پہلے سوچتے — اب کیا فائدہ —" اس نے مضبوط لہجے میں کہا — اور دوسری طرف ٹانگیں لٹکا دیں۔

"اللہ حافظ —" اس نے دبی آواز میں کہا۔

"اللہ حافظ —" تینوں بولے۔

دوسرے لمحے فرزانہ نے دونوں ہاتھ چوکھٹ سے ہٹا لیے — [illegible] کی طرح نیچے گئی اور دھڑام سے گری — اس کے منہ سے [illegible] بھی نکل گئی — اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے پاؤں [illegible] دیے گئے ہوں — چند لمحات کے لیے اس کے [illegible] ہو گئے — پھر رفتہ رفتہ حواس واپس آئے تو دیکھا کہ [illegible] نوجوان رائفلیں لیے اس کے گرد موجود ہیں — ان چاروں [illegible] آنکھوں میں حیرت تھی:

"آخر تمہیں اس حرکت سے کیا فائدہ ہوگا؟" ان میں سے [illegible] نے کہا۔

"ہم فائدے اور نقصان کی بات نہیں سوچتے — وقت اور [illegible] کے مطابق جو کر گزرنے کا پروگرام بنا لیتے ہیں، بس [illegible] گزرتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اب ہم تمہیں باس کے حکم کے مطابق دوسرے کمرے [illegible] بند کر دیں گے — اور اس طرح باقی تین ساتھی روشن [illegible] تک پہنچنے کے بھی قابل نہیں رہیں گے۔"

"اللہ مالک ہے۔" اس نے کندھے اچکا دیے۔

"[illegible] پھر چلو — ہم پوری طرح چوکس ہیں — ہماری رائفلیں [illegible] ہوئی ہیں — اور حد درجے خطرناک بھی۔"

اس نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی — وہ عمارت کے برآمدے
میں تھے — چاروں مناسب فاصلے پر رائفلیں تھامے کھڑے تھے —
گویا اس کے چاروں طرف موجود تھے — وہ اگر ایک پر حملہ آور
ہوتی تو باقی تین اس پر جھپٹ سکتے تھے — یا گولی چلا سکتے
تھے — اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا — یہ محنت بھی ضائع
جاتی نظر آئی — لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی — ہاں یہ
لوگ پہلے سے اس طرف موجود نہ ہوتے تو اس وقت تک وہ
کامیاب ہو چکی تھی —

وہ چاروں ساتھ والے کمرے کی طرف چلنے کا اشارہ کر
رہے تھے — مجبوراً اٹھی اور کمرے میں داخل ہو گئی — دروازہ
بند کر دیا گیا —

محمود، فاروق اور انسپکٹر جمشید کافی دیر تک کسی نتیجے کے
نکلنے کا انتظار کرتے رہے، آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اس کا مطلب ہے، یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔"

"جی ہاں! دوسری طرف کئی لوگ پہلے سے موجود ہوں گے
اس بے چاری کو گرتے ہی دبوچ لیا گیا ہو گا — اتنی اونچائی
سے گرنے پر اسے چوٹ بھی آئی ہو گی۔" محمود نے سرد
آہ بھری —

"ہر ناکامی ہمیں کامیابی سے نزدیک کرتی ہے — یہ بات

یاد رکھو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے — اور عجیب سے انداز میں اٹھے۔

"کیا ارادہ ہے؟"

"اس دروازے پر چند ٹکریں اور ماروں گا — فرزانہ کی کوشش
نے میری حالت عجیب بنا دی ہے۔"

"شاید اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"پہلے سے یہ سوچ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کامیاب ہو
ہی نہیں سکتے — لہٰذا میں اس یقین کے ساتھ ٹکر ماروں گا
کہ میں ان شاء اللہ کامیاب ہوں گا۔"

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار تک جا پہنچے اور پھر وہاں سے
دروازے کی طرف دوڑے — پورے زور میں دروازے سے
ٹکرائے — اور الٹ کر گرے — پھر اٹھے — دیوار تک پہنچے اور
پھر دوڑ کر ٹکر ماری — گرنے کے بعد پھر اٹھے — ان کی آنکھیں
انگارہ ہو گئی تھیں — یوں لگتا تھا جیسے کسی دروازے سے
نہیں، دشمن سے ٹکرا رہے ہوں — تیسری ٹکر بہت زوردار
تھی — اس قدر زوردار کہ محمود اور فاروق کانپ گئے —
ساتھ ہی وہ دھڑام سے گرے اور بے ہوش ہو گئے — دروازہ
اپنی جگہ جوں کا توں موجود تھا۔

"ابا جان، فاروق — ہم بیٹھے نہیں رہ سکتے — اگرچہ جانتے ہیں —
اس دروازے کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے — اس کے باوجود

ہم اس پر ٹکریں ماریں گے — فرزانہ اپنا کام دکھا گئی — ابا جان اچھی کوشش کر کے بے ہوش ہو گئے — ہم — امی جان جب نہیں گی کر ہمیں کچھ بھی نہیں ہوا، ہم نے کوئی چوٹ بھی نہیں کھائی تو کیا خیال کریں گی — نہیں بھئی — یہ مجھ سے نہیں ہو گا —"

"تم سے ہی نہیں — یہ مجھ سے بھی نہیں ہو گا — ہاں!"

دونوں بالکل اسی انداز میں ٹکروں پر ٹکریں مارنے لگے — آخر بے دم ہو کر گرے اور بے ہوش ہو گئے — سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کو ہوش آیا — جونہی ان کی نظریں گھڑی پر پڑیں — وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے — ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا، انھوں نے دیکھا — محمود اور فاروق زخمی کندھے لیے — بے ہوش پڑے تھے — دروازہ اب تک بند تھا — اور ایک بار پھر ان کی نظریں گھڑی پر جم گئیں — اس پر دوسرے دن کی تاریخ تھی اور دن کے گیارہ بجے تھے۔

عین اسی وقت انھوں نے دروازہ کھولے جانے کی آواز سنی۔

عجیب سفر

دروازہ کھلا اور شیخ سیوٹانی کی صورت نظر آئی — اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی — جو فتح کی خوشی کا اعلان کر رہی تھی — اس کے دائیں بائیں — دس نوجوان پستول لیے کھڑے تھے — ان سب کی نظریں انسپکٹر جمشید، محمود اور فاروق پر تھیں اور پستولوں کی نالوں کا رخ بھی ان کی طرف تھا۔

"ان میں سے ایک کہاں ہے۔" شیخ سیوٹانی نے ان چار کی طرف دیکھا جو عمارت میں موجود رہے تھے۔

"دوسرے کمرے میں — اس نے روشن دان سے چھلانگ لگا دی تھی۔"

"دیکھا — میں نے یہ بات پہلے ہی کہہ دی تھی — جب کہ لوگوں کا خیال تھا کہ ان میں سے کوئی اتنی بلندی سے چھلانگ

لگانے کی کوشش نہیں کرے گا — میں ان لوگوں سے اس قدر واقف ہوں کہ کیا کوئی واقف ہوگا — جاؤ — اس بچی کو بھی یہیں لے آؤ۔"
یہ کہہ کر وہ انسپکٹر جمشید کی طرف مڑا۔

"آپ کا کیا حال ہے انسپکٹر؟"

"تمہارے مشن کا کیا بنا۔" انسپکٹر جمشید نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"چیچی ہمارے قبضے میں ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"سارے شہر میں ہماری تلاش شروع کی جا چکی ہے — اور ہم یہاں موجود ہیں — بس چند منٹ میں ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے — اور ایسی جگہ پہنچ جائیں گے — جہاں پولیس ہم تک کبھی نہیں پہنچ سکے گی۔"

"کوئی بات نہیں! ہم پہنچ جائیں گے۔"

"تم لوگوں کو زحمت کی ضرورت نہیں پڑے گی — اس لیے کہ ہم تمہیں اپنے ساتھ ہی تو لے جا رہے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" فرزانہ چونکی۔

"ہاں! یہ بھی میرے پروگرام کا حصہ ہے — میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ تم لوگوں کو ساتھ رکھوں گا — تاکہ تمہاری طرف سے بے فکر رہوں۔"

"ابھی واہ — پھر تو مزا آجائے گا۔" فاروق چہکا۔

"ابھی آئے گا مزا — تم لوگوں کو ذرا مشکل سے ہی آئے گا۔" شیخ بھوتانی ہنسا۔

"کسی کے سر میں کیا چیز آئے گی — یہ تو وقت ہی بتائے گا — وہ چیچی کہاں ہے؟" محمود سرسری انداز میں بولا۔

"اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — وہ محفوظ ہے — اب چلو — ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

پستولوں کے نرغے میں لے کر انھیں باہر لایا گیا — عمارت کے صحن میں ایک ٹرک کھڑا تھا — ٹرک میں بکریاں لدی ہوئی تھیں — انھیں بکریوں کے درمیان سے آگے کی طرف لے جایا گیا۔ یہاں کچھ جگہ خالی تھی — لیکن اس جگہ کے اوپر نیچے دائیں اور بائیں بکریاں ہی بکریاں تھیں — شیخ بھوتانی سمیت سب لوگ بیٹھ گئے — پستول اب بھی ان کے گرد تنے ہوئے تھے — پھر ٹرک حرکت میں آگیا۔

بکریوں کی بو تیز پھیلی ہوئی تھی — ان کی مینگنوں اور پیشاب کی بو سے ان کے دماغ پھٹنے لگے —

"سفر کے لیے اس سے گندا طریقہ نہیں ملا۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ سفر تم لوگوں کو زندگی بھر یاد رہے گا۔" شیخ

بھوشاک بنا۔

"اور یہ طریقہ تم نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ راستے [illegible] ٹرک کو چیک نہ کیا جائے۔۔۔ اب کون بجریوں کے اندر گھس کر یہاں تک چیک کرے گا"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"بالکل ٹھیک سمجھے۔۔۔ اب تم یہ کہو گے کہ شور مچا کر تو چیک کرنے والوں کو متوجہ کیا ہی جا سکتا ہے۔۔۔ تو اس کا جواب یہ کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ اس لیے کہ تم جانتے ہو۔۔۔ ہمارے پستول عام پستول نہیں ہیں۔۔۔ ادھر تم منہ کھولو گے۔۔۔ ادھر دب جائیں گے۔۔۔ اور تم بالکل بے ہوش ہو جاؤ گے۔۔۔ ڈرائیور سیٹ پر جو آدمی بیٹھا ہے۔۔۔ وہ بہت نیک نام آدمی ہے۔۔۔ اس کے پاس مکمل کاغذات موجود ہیں۔۔۔ وہ ٹرک دور دراز کے ایک شہر کی طرف جائے گا۔۔۔ یعنی کاغذات کی مدد سے۔۔۔ مال جس اڈے سے لادا گیا ہے۔۔۔ وہ بھی بہت نیک نام اڈا ہے۔۔۔ عام طور پر اس کے ٹرک روکنے اور چیک کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔۔۔ اسی لیے ہم نے یہ ٹرک کرائے پر لیا ہے"۔

"لیکن ڈرائیور تم لوگوں سے تعاون کرنے پر کیسے آمادہ ہو گیا"۔

"ڈرائیور آمادہ نہیں ہوا۔۔۔ ہم نے ٹرک پورے پندرہ دن کے لیے بک کرایا تھا۔۔۔ یعنی پندرہ دن کے بعد ہم ٹرک کو فارغ کر [illegible] [illegible] ٹرک ڈرائیور کو ہمارے ساتھ ہی رہنا تھا۔۔۔ ان حالات میں [illegible] ڈرائیور سے بدل دینا بھلا کیا مشکل تھا۔۔۔ کاغذات ہر [illegible] مکمل ہیں۔۔۔ مال کہاں سے لادا گیا اور کہاں تک جانا [illegible] کاغذات بالکل صاف ہیں۔۔۔ ڈرائیور کا حلیہ بھی [illegible] بنا دیا گیا ہے۔۔۔ ان حالات میں بھلا اس ٹرک [illegible] روکے گا۔۔۔ ہمارا سفر کتنا لمبا ہو گا"۔

"[illegible] دو دن کا۔۔۔ ان دو دنوں کے درمیان۔۔۔ صرف رات کے [illegible] ہم تم لوگوں کو بجریوں کے درمیان سے نکالیں گے۔۔۔ کھلائیں گے [illegible] اور بس۔۔۔ دن کے اوقات میں ہم بجریوں کے ہم سفر ہی [illegible]"۔

"اللہ مالک ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

[illegible] فاروق اور فرزانہ کے تو رنگ اڑ گئے۔۔۔ اتنی دیر تک [illegible] کے ساتھ سفر کرنا آسان نہیں تھا۔۔۔ نہ ان کے کپڑے پاک [illegible] نہ جسم۔۔۔ مینگنیوں اور پیشاب ان پر کسی وقت بھی [illegible] بکریوں کو دراصل رسیوں کے بنائے ہوئے جال میں [illegible] تھا۔۔۔ جال کے سوراخوں میں ان کی ٹانگیں لٹک رہی [illegible] تھے۔۔۔ وہ غریب بھی بے بس تھیں۔۔۔ ہلنے جلنے [illegible] نہیں تھیں۔۔۔

"[illegible] وہ بیچی تو نظر نہیں آ رہی"۔

بھی بیٹی کا خیال دل سے نکال دو۔ اب وہ کبھی تمہارے
ہاتھ نہیں لگے گی:“ شیخ حبشانی بولا۔

”خیر۔ پھر آپ ہی بتا دیں۔ کس چیز کا خیال دل میں
رکھیں:“ فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

”اپنی موت کا۔“ وہ بولا۔

”موت کو تو مسلمان ہر وقت یاد رکھتا ہے، بلکہ ہمارے
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ موت کو ہر روز
کم بیش مرتبہ یاد کرو:“

”ہمیں اپنا مذہب پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ ہم جانتے ہیں
مسلمان آج کل کس گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ
کل کے مسلمان بس نام کے مسلمان رہ گئے ہیں تو بے جا
نہ ہو گا:“

”ایسا نہیں ہے۔ ان گنت مسلمان ہر لحاظ سے مسلمان ہیں“

”اور وہ۔ بزرگوں کے مزارات پر کیا کچھ ہوتا ہے۔
کا اسلام سے کیا تعلق ہے:“

”اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ چال بھی انگریز
کی تھی۔ اس نے مسلمانوں کو مزارات کے چکر میں ڈال دیا۔
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود اپنی قبر پر عرس اور
[illegible] سے منع فرما دیا تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

سب کام نہیں کیے جا سکتے تو دوسرے بزرگوں کی
کس طرح کیے جا سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ بڑی کم عقلی
ہو سکتی ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک کام
فرمائیں اور مسلمان اسی کام کے کرنے پر ڈٹ جائیں۔ ایسے
مسلمان کہلانے کے حق دار ہو سکتے ہیں:“ انسپکٹر جمشید

انسپکٹر جمشید۔ تم تو اس وقت کوئی مولوی نظر
ہو:“

”ہر مسلمان کو دین کی معلومات ہونی چاہییں، دین سے ناواقفیت
کی جڑ ہے:“

اس خشک بحث کو چھوڑو۔ اور یہ بتاؤ کہ ہمارا یہ شن
اس قدر صاف ستھری شکست تم نے پہلے کبھی کسی سے
دیں:“

”شکست اور فتح اللہ کے ہاتھ ہے۔ ہم بہت مرتبہ زبردست
شکست سے دوچار ہو چکے ہیں، بہر حال یہ شکست بھی بڑی
انھوں نے کہا۔

ہے۔ ابھی تو شکست کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔
شکست دی جائے گی:“
تو ہمارے پاس شکست کے ڈھیر لگ جائیں گے:“

فاروق نے منہ بنایا۔

"چلو کوئی بات نہیں — فرصت کے دنوں میں کام آئیں گے۔"
محمود نے اسے گھورا۔

بجریوں کے نیچے یہ سفر — کس قدر گندا، کس قدر بدبودار،
الٹا دینے والا اور ناکوں چبوانے والا تھا — یہ بات ان کے
ذہنوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نقش ہو گئی — پورے دو دن
بعد ان کا ٹرک ساحل سمندر پر رکا — انھیں نیچے اتارا گیا۔ ساحل
پر ایک بحری جہاز نما لانچ کھڑی تھی — اس قدر بڑی لانچ انھوں
نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی — ساحل دور دور تک سنسان
نظر آ رہا تھا، شاید یہ بالکل بے آباد جگہ تھی۔

"ٹرک کو بجریوں سے پاک کر دو — یہ ہمارے بہت کام آئے
گا۔" شیخ بھوٹانی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"کیا تم یہ سونا کسی دشمن ملک کے حوالے کرنا چاہتے ہو؟" انسپکٹر
جمشید غرائے۔

"دشمن ملک کے نہیں — اپنے حوالے کروں گا — میں تمھارے ملک
کا آدمی نہیں ہوں — ہاں رہتا ضرور تمھارے ملک میں ہوں۔"

"اچھا اصلی چہرہ تو دکھا دو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں — آپ لوگ مجھے شیخ بھوٹانی کے نام
سے یاد رکھیں — یہ نام بہت مشہور ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"ایک بات میری بھی نوٹ کر لو مسٹر شیخ بھوٹانی۔" انسپکٹر جمشید
نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔

"ایک کیا — میں تو دس باتیں نوٹ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"فی الحال ہمارے سٹاک میں دس ہیں ہی نہیں۔" فاروق بولا۔

"اور وہ بات یہ ہے کہ — ہم یہ سونا دشمن ملک کے ہاتھ
نہیں لگنے دیں گے۔"

"کون سا سونا —" شیخ بھوٹانی کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"جانے کیوں —"

"وہی جو تم اڑا کر لائے ہو۔"

"وہ ہمارے ساتھ کہاں —" شیخ بولا۔

"اگر وہ سونا تمھارے قبضے میں نہیں ہے تو یہ سفر کیا
تھا؟ جھک مارنے کے لیے کیا جا رہا ہے —" فاروق نے بڑی بوڑھیوں
کے انداز میں کہا۔

"خیر — جب تمھیں وقت مل جائے — موقع مل جائے — سونا
تلاش کر لینا — روکا کس نے ہے۔"

بہت تیزی سے ٹرک کو بجریوں سے پاک کر دیا گیا — دھو بھی
ڈالا گیا — بجریاں اب ادھر ادھر نکل گئی تھیں — شاید وہ آزادی
ملنے پر بہت خوش تھیں — لانچ میں سے ایک بہت بڑا تختہ
باہر نکالا گیا — اسے لانچ کے عرشے پر رکھا گیا اور دوسرا سرا

کام لے کر یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔ اگر انھیں لانچ چلانا
آتا بھی ہو۔ تب بھی لانچ تو چلا نہیں سکتے۔ اب اس
کی صورت یہی رہ جاتی ہے کہ یہ لوگ ہم سب کو شکست
دے کر ماسٹر کو لانچ چالو کرنے پر مجبور کر دیں۔ سو میں
نے ان کا یہ راستا بھی بند کر دیا ہے۔"

"وہ۔ وہ کیسے باس۔" ماسٹر ہکلایا۔ یہ ایک لمبے قد
کا آدمی تھا۔

"کیپسول نکال کر منہ میں رکھ لو۔ اگر ایسا وقت آئے تو
ان لوگوں کے کام آنے کی بجائے اپنے ملک کے کام آنا۔
کیپسول چبا لینا۔ پھر یہ تم سے کوئی زیادتی نہیں کر سکیں گے۔"

"بہت بہتر باس۔" اس نے کانپ کر کہا۔ اور پھر کیپسول نکال
کر منہ میں رکھ لیا۔

"خیال رہے کہیں۔ بے خیالی میں اسے نہ چبا لو۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں پوری طرح خیال رکھوں گا۔"

"انسپکٹر جمشید۔ اب تم لوگ پوری طرح آزاد ہو۔ اگر
ہم سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے ہو تو ہم تیار ہیں۔" شیخ
بھوٹانی ان کی طرف مڑا۔

"پہلی بات تو یہ کہ تمھارا اصلی نام کیا ہے۔ اور اصل چیز
کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"[illegible] تک کوئی نہیں جان سکا۔ میرے ساتھی بھی نہیں جانتے
تھا۔ [illegible] ملک کے لوگ سونا حاصل کرنے گیا اس جزیرے
[illegible] گئے۔"

"[illegible] گے نہیں۔ وہ یہاں پہلے ہی موجود ہوں گے۔"

"اچھا۔ تب تو ہم پہلے ان سے بھی ملاقات کر
[illegible] لیں گے۔"

"ان کی ملاقات تم لوگوں سے نہیں کرائی جائے گی۔"

"میرا خیال ہے۔ جزیرے پر اور لوگ موجود نہیں ہیں۔
[illegible] کہ ہم نے ساحل پر لانچ نہیں دیکھی۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"لانچ دوسری طرف ہو گی۔ یا پانی میں کچھ فاصلے پر کھڑی
ہو گی۔ یہ ان لوگوں کا معاملہ ہے۔ میرا کام تو صرف
[illegible] کر سونا ان کے حوالے کر دوں۔ اور وہ لوگ سونا لے
[illegible] سے روانہ ہو جائیں۔ اور تم لوگ بے بسی کے
[illegible] دیکھتے رہ جاؤ۔ ویسے انسپکٹر صاحب۔ اس قدر
[illegible] کبھی شاید ہی ہوئے ہوں گے۔" اس کے لہجے
[illegible]

"[illegible] ہے۔ ایسا ہی ہو۔ تمھاری باتوں سے میں اس
[illegible] ہوں کہ سونا ٹرک میں ہی کہیں چھپایا گیا ہے۔
[illegible] ہے نا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اگر یہ بات ہے تو جاؤ — پہلے ٹرک میں سونا تلاش کر لو۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سونا ٹرک میں نہیں ہے — یا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سونا ہے تو ٹرک میں ہی — لیکن — ہم تلاش نہیں کر سکتے۔"

"چلو یہی سمجھ لو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"آؤ بھئی — پہلے ہم سونا تلاش کر لیں۔"

"ضرور کیوں نہیں — ہم یہاں سے جا رہے ہیں — جب سونا تلاش کر کے تھک جاؤ — تو جزیرے کے درمیان آ جانا — ہم تم لوگوں کا استقبال کرنے کے لیے وہاں موجود ہوں گے۔" اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں چھپاؤں گا نہیں — تم لوگوں کو ساتھ لانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اوپر کا حکم تم لوگوں کو ختم کر دینے کا بھی ہے — جونہی تم ناکام ہو کر واپس لوٹو گے — ہم تم کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"اللہ مالک ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اپنے اللہ کو بھی یاد کر لو — جتنا کرنا ہے — پکار لو اسے مدد کے لیے — سنا ہے — تم لوگوں کا عقیدہ ہے — اسی کو پکارا جا سکتا ہے — جب کہ تمہارے ملک کی بیشتر

[illegible] قبروں میں سوئے ہوئے بزرگوں کو پکارتی ہے۔"

"ان کا عقیدہ ان کے ساتھ — ہمارا ہمارے ساتھ — ہم [illegible] ہیں صرف ایک اللہ کو مدد کے لیے پکارنے کا عقیدہ رکھتے [illegible] اللہ اسی عقیدے پر موت نصیب فرمائے۔"

"آمین" ان تینوں کے منہ سے نکلا۔

[illegible] اور اس کے ساتھی جزیرے کے اندر کی طرف قدم [illegible] گئے — جب کہ وہ لانچ کی طرف مڑ گئے — جب دشمن [illegible] فاصلے پر پہنچ گئے تو محمود نے دبی آواز میں کہا:

"موقع اچھا ہے — لانچ کو سٹارٹ کیجیے — اور نکل چلیے۔"

"نہیں بھئی — اس طرح جانا بزدلی ہو گی — دوسرے یہ [illegible] = اطمینان بھی نہیں کہ سونا ٹرک پر ہے بھی یا نہیں — [illegible] ان لوگوں سے دو دو ہاتھ کیے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں [illegible] گے — شیخ جھوتانی نے اس وقت تک ہمارے ملک کو [illegible] کیا کیا نقصانات پہنچائے ہیں — اسے گرفتار کر کے [illegible] لے جانا بھی انتہائی ضروری ہے۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

وہ لانچ پر سوار ہو گئے — ٹرک ان کے سامنے ہی موجود [illegible] انھوں نے اس کے ایک ایک حصے کا جائزہ لینا [illegible] — بہت دیر گزر گئی — سونا انھیں کہیں نہ ملا —

آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب ذرا لانچ کو بھی دیکھ لیا جائے کہ ہم اسے چ[illegible]
سکتے ہیں یا نہیں۔"

انھوں نے لانچ پر کوشش شروع کر دی — ایک گھ[illegible]
اس کام میں لگا — لیکن لانچ سٹارٹ نہ ہو سکی —

اس کے بعد انھوں نے ایک گھنٹا لانچ پر اور صرف کیا —
وہ نیچے اتر کر جزیرے کی طرف بڑھنے لگے — اب ا[illegible]
دل زور زور سے دھڑک رہے تھے — وہ نہیں جانتے تھے
کہ دشمنوں نے ان کے لیے کس قسم کی موت تیار کر
رکھی ہے —

"ہم نہتے ہیں ابا جان — اور ان کے پاس ہر قسم کے ہتھ[illegible]
ہیں۔" فاروق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں فاروق — کیا تم موت سے ڈر رہے ہو — یاد رکھو
ڈر کر بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا — وہ اپنے وقت پر آ کر
رہے گی۔"

"نہیں ابا جان — میں ڈر نہیں رہا — میں تو یہ کہنا چاہ[illegible]
ہوں کہ آخر — ہم اس قدر آسانی سے ان کے ہاتھ کیوں لگی[illegible]
ہم ان درختوں پر چھپ سکتے ہیں — اگر ہم مختلف درختوں پ[illegible]
چھپ جائیں تو — ضرور کوئی نہ کوئی صورت ان پر حملہ آور

[illegible] سکتی ہے۔"

"[illegible] معقول ہے — لیکن صرف تم اس پر عمل کرو گے۔"

[illegible] بولے۔

"[illegible]" وہ چونکے۔

"[illegible] کے مطابق جزیرے کے درمیان ہی جاؤں گا اور
[illegible] وہ بات کروں گا — اس وقت تک میرے ہاتھ پیر بندھے
[illegible] — اب کھول دیے گئے ہیں تو میں ان کی طاقت ان
[illegible] آزماؤں گا — وہ مجھے بے بس دیکھنا چاہتے ہیں — لیکن
[illegible] پر وہ بے بسی کی ایک جھلک نہیں دیکھ سکیں
[illegible] ان شاء اللہ —" وہ روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

"[illegible] پھر ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔"

"[illegible] میرا حکم ہے — تم درختوں پر چڑھ جاؤ — لیکن اس
[illegible] درختوں ہی درختوں پر سفر کر سکو — اور جزیرے کے
[illegible] پہنچ سکو۔"

"[illegible] بہتر ابا جان — ہم آپ کے حکم پر عمل کریں گے۔"
[illegible] آگے بڑھ گئے اور وہ درختوں کا جائزہ لینے لگے۔

نئی پارٹی

محکمہ سراغرسانی کے ہال میں اس وقت ایک اہم میٹنگ ہو [illegible]
تھی۔ سبھی ذمے دار لوگ موجود تھے۔ اسی وقت آئی [illegible]
صاحب اس پہلو پر روشنی ڈال رہے تھے کہ میٹنگ کیوں
بلائی گئی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے:

"اس قدر بڑی تعداد میں قومی خزانے کو لوٹا جانا پہلا [illegible]
ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ مجرموں نے یہ کام اس
صفائی سے کیا کہ اب تک کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔
بات اب واضح ہو چکی ہے کہ اس واردات سے ایک [illegible]
پہلے ہی انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو اغوا کر لیا گیا [illegible]
پہلے انھیں اغوا کیا گیا، پھر ان کے گھر سے وہ فائل حاصل [illegible]
گئی جس میں اس خزانے کے بارے میں تمام تر معلومات
پروگرام کی تفصیلات درج تھیں۔ وہ فائل اگر ان کے [illegible]
نہ لگتی تو شاید وہ اس قدر آسانی سے کامیاب نہ ہو [illegible]

[illegible] رہے ہیں کہ انسپکٹر جمشید پارٹی کو کہیں بالکل
[illegible] کیا ہے۔ وہ ضرور کہیں قید ہیں۔ ہمیں نہ صرف
[illegible] واپس حاصل کرنا ہے، بلکہ انسپکٹر جمشید وغیرہ
[illegible] ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں کیا اقدامات کرنا
[illegible] پر آپ لوگ باری باری روشنی ڈالیں۔ انسپکٹر
[illegible] بات کریں گے۔" یہاں تک کہہ کر آئی جی صاحب
[illegible]

[illegible] اس سلسلے میں پہلی الجھن انسپکٹر جمشید کی ہے،
[illegible] ہوشیار اور تیز طرار شخص آخر ان مجرموں کے قبضے
[illegible] طرح چلا گیا؟"

"اس سوال کا جواب بہت آسان ہے۔" ایک آواز ابھری۔
[illegible] اس طرف گھوم گئے۔ وہ انسپکٹر فضل تھا۔
[illegible] جمشید سے جلا رہتا تھا۔

[illegible] جواب بھی دیں گے۔ لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو
[illegible] انسپکٹر سرفراز کی بات سن لیں۔" ڈی آئی جی
[illegible]

[illegible] اصولی طور پر پہلے انھی کی بات سنی جانی
[illegible] صاحب نے فیصلہ دیا۔
[illegible] ہو سکتی ہیں۔ یا تو انھیں بے خبری میں

دیا گیا — یا پھر انھوں نے جان بوجھ کر حملہ آوروں کے خلاف
کوئی قدم نہیں اٹھایا — تاکہ ان کے ٹھکانے تک پہنچ سکیں —
کوئی وجہ ضرور ہے — ورنہ انسپکٹر جمشید قومی خزانہ پہنچنے
پہلے بہر حال ہی ایئرپورٹ پر ہوتے۔"

"اس بات کو ہم سب کا ذہن مان رہا ہے کہ انسپکٹر جمشید
پھنس گئے ہیں۔" ایک ڈی ایس پی بولے۔

"ہمیں ملک سے باہر جانے والی بری، بحری اور ہوائی
کی ناکہ بندی کر دینی چاہیے — ہر اندر آنے والے اور باہر
والوں کو چیک کیے بغیر نہ جانے دیا جائے — اور اندرون
بھی پوری تندہی سے تلاش جاری رکھی جائے۔ پرانے مجرموں
چیک کیا جائے — آج کل وہ کیا کر رہے ہیں، کہاں ہیں۔"

"اب ذرا انسپکٹر فضلی کا بھی خیال پوچھ لیا جائے۔" آئی

"ضرور جناب عالی، کیوں نہیں، لیکن میں وضاحت کر
یہ خیال میرا نہیں، میرے دو اور ساتھیوں انسپکٹر خالد اور
منیر کا بھی یہی خیال ہے۔"

"چلیے ٹھیک ہے — آپ خیال پیش کریں — خیال آپ
کی طرف سے کہا جائے گا۔" ڈی آئی جی بولے۔

"ہمارا خیال ہے — اس مرتبہ جو یہ ہولناک حد تک بڑی وا
اس قدر کامیابی اور آسانی سے کی گئی ہے تو ضرور اس

... اور ان کے بچوں کا بھی ہاتھ ہے — وہ مجرموں کے ساتھ
... گئے ہیں۔"

"آپ — آپ نے یہ کیا کہا — کیا ان کی شخصیت بھی ایسی
... ہم ایسا سوچ سکیں۔" سب انسپکٹر اکرام تیز آواز میں بولا۔
"... خیال پیش کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس
... کا امکان موجود ہے — ذرا سوچیے صاحبان — جو
... اور سی مورن جیسے مجرموں — بلکہ جیرال جیسے مجرموں،
... کوں کا — ... ماگا اور لی کات جیسے مجرموں کو شکست پر
... سکتے ہیں — ان کی چالوں کو ناکام بنا سکتے ہیں —
وہ ان معمولی مجرموں سے کس طرح مار کھا گئے۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" آئی جی صاحب نے انکار
... ا۔

"... حال، آپ خیال پیش کرنے میں بالکل آزاد ہیں — سب انسپکٹر
... احتجاج کرنا بھی قدرتی امر تھا — آپ محسوس نہ کریں۔
... اکرام — تحمل اور ضبط کا مظاہرہ کرو۔"

"... سر۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

... نہیں ہوتی رہیں — پھر انتظامات کیے گئے، ڈیوٹیاں
... گئیں — اکرام سب انسپکٹر خالد کے حصے میں آیا، ان دونوں
... کی تلاش میں نکلنا تھا اور ساتھ ہی انسپکٹر جمشید

وغیرہ کی بھی۔

دونوں اٹھ کر الگ کمرے میں آ گئے۔

"اگرچہ میں انسپکٹر جمشید کا سخت مخالف ہوں۔ اور تمھارے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔ لیکن میں بھی کہوں گا فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔"

"شکریہ سر۔ میری ایک تجویز ہے۔"

"کہو۔"

"ہم خان رحمان صاحب کو بھی ساتھ لے لیں۔ وہ تین بھلے۔"

"وہ۔ انسپکٹر جمشید کے دوست؟" اس نے سوالیہ انداز میں

"جی ہاں!"

"نہیں بھئی۔ اس مہم میں غیر سرکاری آدمی کو ساتھ لے سکتا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ اب آپ حکم فرمائیں۔ کہاں جانا"

"ہم اپنا کام انسپکٹر جمشید کے گھر سے شروع کریں گے کیوں کہ یہ کیس اس گھر سے شروع ہوا ہے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آئیے۔"

دونوں ان کے گھر پہنچے۔ اکرام نے دستک دی۔ ا بیگم شیرازی کی آواز سنائی دی:

"کون ہے؟"

"انسپکٹر اکرام۔ میرے ساتھ انسپکٹر خالد بھی ہیں، وہ تحقیقات کے لیے آئے ہیں۔"

"اوہ! ایک منٹ ٹھہریں۔"

دونوں کو آواز سنائی دی۔ شاید بیگم شیرازی بیگم جمشید سے کہہ رہی تھیں۔ آخر پھر قدموں کی آواز ابھری:

"وہ الگ کمرے میں ہیں۔ آپ کو جو سوالات کرنا ہیں، ان کے دروازے پر آ کر کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن محترمہ۔ ہمیں تلاشی بھی لینا ہے۔" خالد بولا۔ اکرام نے اسے گھور کر دیکھا۔ لیکن بولا

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ ہم نے قانون کا احترام کرنا ہے۔ آپ دروازہ کھلنے کے آدھ منٹ بعد اندر آ جائیں گے۔"

"یہ بات ہے۔" اکرام نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر خالد نے جھلا کر کہا۔

"یہ گھر بے پردہ لوگوں کا نہیں ہے۔"

"اوہ!" انسپکٹر خالد کے منہ سے نکلا۔

آخر وہ اندر داخل ہوئے۔

پہلے ہم تلاشی کیوں نہ لے لیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی — میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"تمہارے آفیسر کا گھر ہے — کہہ کیوں نہیں سکتے" [illegible] نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے سر — لے لیں تلاشی۔"

عین اسی وقت گھنٹی بجی — دونوں چونک اٹھے۔

"اب مجھے ہی دیکھنا ہوگا کہ باہر کون ہے۔" اکرام [illegible]

"جلدی دیکھو اور جو کوئی بھی ہے — ا[illegible] ٹرخانے کی کوشش کرو۔" اس نے تلملا کر کہا۔

اکرام نے دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھول دیا — فوراً ہی رحمان اور پروفیسر داؤد کی آوازیں گونجیں۔

"ہائیں! اکرام — تم یہاں ہو؟"

"جی ہاں! ابھی ابھی آیا ہوں — انسپکٹر خالد بھی ساتھ ہیں۔" اکرام نے فوراً کہا۔

"انسپکٹر خالد — وہ کیوں؟"

"ہم لوگ گم ہونے والے قومی خزانے اور انسپکٹر [illegible] وغیرہ کی تلاش میں نکلے ہیں — اور بھی پارٹیاں بھی [illegible]"

"اور تم دونوں چیزوں کو یہاں تلاش کر رہے ہو" رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! مجھے تو اپنے آفیسر کا حکم ماننا ہے نا۔" اس نے [illegible] دبا کر کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے — آئیے پروفیسر صاحب — ذرا ہم بھی ان [illegible] کی مدد کریں۔"

"دونوں [illegible] آئے — انسپکٹر خالد ان کی بات چیت سنتا رہا [illegible]

"[illegible] جناب! آپ لوگ ایک طرف ہو کر بیٹھ جائیں — ہمارے [illegible] دخل اندازی نہ کریں؟"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں — ہم تو وہ لوگ ہیں جنہیں انسپکٹر [illegible] اور انسپکٹر کامران مرزا نے بڑی بڑی مہمات میں اپنے [illegible] رکھا ہے — اور اب ہم ان کی گم شدگی کے معاملے [illegible] ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔"

"[illegible] جناب مجبوری ہے — ایسا کرنا ہی ہوگا۔" انسپکٹر [illegible] بولا۔

"ایسی کیا مجبوری ہے۔" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"[illegible] مجھے تو دور دور تک کسی مجبوری کے آثار نظر نہیں آ رہے۔" [illegible] مسکرائے۔

"[illegible] ہے — جناب کہ ہمارا خیال ہے — اس واردات [illegible] بھی مجرموں کے ساتھ مل گئے ہیں۔"

"کیا!!" دونوں ایک ساتھ چلائے اور پھر ان کے چہرے
ہو گئے۔

"یہ آپ نے کیا کہا — اپنے الفاظ واپس لیں —" خان رحمان
چیخ کر بولے۔

"مجھے نہیں — آپ ایک ذمے دار سرکاری افسر سے بات
رہے ہیں — کسی پاگل خانے میں نہیں کھڑے ہیں۔"

"یہ ٹھیک کہ رہے ہیں خان صاحب — ہمیں صبر اور سکون
کام لینا چاہیے۔"

"ٹھیک کہ رہے ہیں — کیا مطلب — کیا تمہارا خیال بھی ہے
انسپکٹر جمشید —" خان رحمان نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔

"نہیں — ہرگز نہیں — انھوں نے تو ہمیشہ ملک کی خا
جانوں کی بازیاں لگائی ہیں — دنیا بھر کی دولت کو اسلام
ملک کے لیے ٹھکرا سکتے ہیں وہ تو —"

"اور میں ان کے نام پر اس دولت سے دوگنی دو
وار سکتا ہوں۔"

"یہ سب ٹھیک ہو گا جناب — لیکن آپ مجھے اپنا فرض
کرنے سے نہیں روک سکتے —" انسپکٹر خالد نے جل کر
"اچھی بات ہے — آپ اپنا کام کریں — لیکن میں
ایک فیصلہ کیا ہے — یہ کہ اب اس مہم میں ہم دونوں

ساتھ چلیں گے۔"

"نہیں ہو سکتا جناب —" انسپکٹر خالد کا لہجہ خشک تھا۔

"کیوں — ہونے کو اس میں ناممکن کیا بات ہے۔" پروفیسر
داؤد بھی اٹھے۔

"آپ غیر سرکاری آدمی ہیں — اور یہ مہم خالص سرکاری ہے۔"

"اوقات عملی غیر سرکاری لوگوں کو حکومت اپنی مدد
آواز دے لیا کرتی ہے — اس میں کیا برائی ہے؟"

"یہ ان کی مرضی اور پسند کی بات ہے — چلو اکرام — وہ
کھولو — جس میں فائل رکھی تھی۔"

"او کے سر —" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد کا مارے غصے کے برا حال ہو
خان رحمان کو اور تو کچھ نہ سوجھا — فون کا ریسیور اٹھا کر
ایک نمبر گھمانے لگے۔

"کیا کرنے لگے خان رحمان؟" پروفیسر حیران ہو کر بولے۔

"ابھی — دیکھتے جائیے۔" انھوں نے کہا۔ اسی وقت سلسلہ
دوسری طرف سے آئی جی کی آواز سن کر خان رحمان

"خان رحمان بول رہا ہوں سر۔"

"اوہ خان رحمان — کیا حال ہے؟"

"بس ٹھیک ہی ہوں سر — میرے ساتھ اس وقت پروفیسر صاحب بھی ہیں — اور ہم انسپکٹر جمشید کے گھر میں موجود ہیں۔"

"اچھا — تو پھر —" وہ بولے۔

"یہاں اس وقت انسپکٹر خالد اور سب انسپکٹر اکرام بھی ہیں — اور یہ پولیس پارٹی گھر کی تلاشی لے رہی ہے۔"

"اوہ — انسپکٹر خالد کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"نہیں جناب — انھیں ایسا کر لینے دیں — البتہ میری پروفیسر صاحب کی ایک درخواست ہے۔"

"درخواست نہیں — آپ لوگ حکم کریں —" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ہم چاہتے ہیں — اس مہم میں انسپکٹر خالد اور سب انسپکٹر اکرام کا ساتھ دیں۔"

"واہ — اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن انسپکٹر خالد کو یہ تجویز پسند نہیں۔"

"میں سمجھ گیا — آپ ریسیور انھیں دیں۔" وہ بولے۔

"ایک منٹ جناب — میں ابھی انھیں بلاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور میز پر رکھ دیا اور خود انسپکٹر جمشید والے کمرے میں پہنچے —

"آئی جی صاحب آپ سے فون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

انسپکٹر خالد نے آئی جی صاحب کی بات سنی اور پھر [illegible] جھکا کر بولا:

"[illegible] ہے — آپ کو بھی اس مہم میں ہمارا ساتھ دے [illegible]"

"[illegible] جناب۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"[illegible] آئی جی صاحب کا ادا کریں۔"

"[illegible] — ان کا بھی کر دیں گے — آپ فکر نہ کریں۔"

وہ [illegible] کر اندر کی طرف بڑھ گیا — دونوں نے مسکرا کر [illegible] کی طرف دیکھا — اور پھر وہ انسپکٹر جمشید کے [illegible] کی طرف چل پڑے — جونہی وہ اندر داخل ہوئے — انسپکٹر [illegible] کر پلٹا:

"[illegible] — آپ یہاں کیوں آ گئے؟"

"[illegible] جلد بھول گئے آئی جی صاحب کا حکم —" خان [illegible] بولے۔

"[illegible] اوہ —" وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا — اور پھر [illegible] کی طرف متوجہ ہو گیا — اچانک اس کے منہ سے نکلا:

"[illegible] — میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"کہاں سے؟" اکرام گھبرا گیا — خان رحمان اور پروفیسر داؤ
اگلے کی طرف لپکے۔

انھوں نے دیکھا — تجوری میں ایک جگہ خون کی ایک با
سی بوند موجود تھی اور جم کر خشک ہو چکی تھی۔

"خون کی ایک خشک بوند۔" اکرام نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ یہ خون کس کا ہے۔"

"ہو سکتا ہے — گھر کے کسی فرد کا ہو — بعض اوقات
بات دن اتفاقاً لگ جاتی ہے — تو اس قدر ننھا سا قطرہ
آتا ہے۔" اکرام نے کہا۔

"لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خون کا قطرہ قاتل اڑا
والے کا ہو۔"

"آپ بڑی خوشی سے اس قطرے کو محفوظ کر لیں — اور
میں لیبارٹری میں دے دیں۔"

"میں ایسا ضرور کروں گا — کم از کم اس سے ہمیں یہ
معلوم ہو جائے گا کہ کوئی اجنبی آدمی داخل ہوا تھا یا نہیں"
انسپکٹر خالد بولا۔

"اگر قطرہ گھر کے کسی فرد کا ثابت ہوا تو آپ یہ نتیجہ
کس طرح نکال سکیں گے۔"

"اس صورت میں الجھن ضرور ہو گی — لیکن اگر قطرہ کسی اجن

تو بات واضح ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے — آپ ایسا ضرور کریں۔"

انسپکٹر خالد نے ایک کانسٹیبل کو اس کام پر لگایا اور خود پولیس
کرنے کو کہنے لگا۔

"اب بیگم جمشید سے چند سوالات کروں گا۔" آخر اس نے
کر کہا۔

"اچھا جناب — ضرور سوالات کریں۔"

اس کمرے کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے جس میں دونوں
موجود تھیں۔

"ہم لوگ اس طرف موجود ہیں — میری اچھی بہنو — انسپکٹر صاحب
سوالات کرنا چاہتے ہیں۔"

"خوب، ضرور کریں۔"

"واقعہ کس طرح شروع ہوا، تفصیل بیان کریں۔"

"انسپکٹر صاحب اور میں اپنے کمرے میں تھے — اچانک انھوں
کی آواز سنی — وہ فوراً اٹھ کر باہر کی طرف لپکے — اس
آواز سنائی دی — جیسے کوئی بہت جلدی میں گھر
جانا چاہتا ہے — بس وہ آواز کے پیچھے دوڑ پڑے —
فاروق اور فرزانہ بھی جاگ گئے — انھوں نے بھی
گیا — اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی — ہاں رات

وقت پھر وہ اجنبی آیا — اور تجوری سے فائل نکال کر لے گیا۔ ہمیں بے بس کر دیا گیا تھا — اس کی تفصیلات آپ اخبارات میں پڑھ ہی چکے ہیں۔"

"ہوں! انھوں نے اگلے روز کے پروگرام کا کوئی ذکر کیا تھا؟"

"نہیں! ان کی عادت ہے — اپنے پروگرام پہلے سے کسی کو نہیں بتاتے۔" وہ بولیں۔

"اچھا! اس اجنبی کا حلیہ بتا دیں۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں — یہ کام میں بخوبی کر سکتی ہوں — " یہ کہہ کر انھوں نے شیخ جھوٹانی کا حلیہ بتانا شروع کیا۔

"وہ ایک لمبے قد کا بھاری بھر کم جسم کا آدمی تھا — آنکھوں میں خونی چمک تھی — "

"یہ کوئی حلیہ نہ ہوا — نقوش بتائیے۔"

"آنکھیں زرد رنگ کی تھیں، ناک لمبی، منہ گول، قد چھ فٹ، جسم بھاری بھر کم جیسے کسی موٹے آدمی کا ہو، لیکن وہ موٹا نظر نہیں آتا تھا۔"

"اُف مالک — یہ — یہ تو — "

اکرام کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا تھا —

اثر لے چکے ہیں

وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے کہ ایک بہت بڑا جھنڈ نظر آیا — اس جھنڈ میں کچھ لوگ موجود تھے — ان میں شیخ جھوٹانی اور اس کے ساتھی بھی موجود تھے۔

"دیکھو — وہ آ گئے — جن کا آپ کو انتظار تھا۔" وہاں پہلے سے موجود ایک شخص نے کہا۔

شیخ جھوٹانی پرسکون انداز میں ان کی طرف مڑا اور پھر مسکرا دیا۔

"واہ فیاض — آپ نے کیسے جانا کہ یہ وہی صاحب ہیں؟"

"ان کے علاوہ اس طرف سے اور کون آئے گا۔" شاہ فیاض نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں — آپ کا اندازہ ہے درست۔" شیخ جھوٹانی نے کہا۔

"لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ یہ سودا اس جگہ میں کیوں کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس بات کو چھوڑیں — آپ کا اس بات سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا — اور سودے کی بات کریں — ارے ہم — مگر ان کے ساتھی کیوں نظر نہیں آ رہے — "شیخ سبحوتانی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ ذرا دوسرے راستے سے یہاں تک پہنچیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"دوسرے سے آئیں یا تیسرے سے — کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔" شاہ فیاض ہنسا۔

"ہاں بالکل! انھیں بھی بے بسی کا تماشہ دیکھنا ہوگا — فیاض — اب سودے کی بات ہو جائے — وہ سارا سونا اس وقت ہمارے قبضے میں ہے — آپ کیا کہتے ہیں۔"

"میری ریاست کو اس سونے کی بے تحاشہ ضرورت ہے — سوال یہ ہے کہ تم اس سونے کے بدلے میں کیا چاہتے ہو — نقد رقم یا کوئی اور صورت —"

"سونا میرے اپنے ملک کے لیے بھی بہت اہم ہے — لیکن میرا ملک مجھ سے سونا حاصل کرنے کے لیے صرف شاباش دے دے گا — اور بس — جب کہ میں چاہتا ہوں — اصل فائدہ خود اٹھاؤں، اس لیے اس مرتبہ میں نے اپنے ملک سے غداری کر کے آپ سے بات کی ہے۔"

"تم نے بہت اچھا کیا شیخ سبحوتانی — ایسے عقل مندی کے

کام کبھی کبھار کر لینے چاہییں — لیکن جب تمھاری حکومت تم سے سونے کے بارے میں سوال کرے گی — تو کیا جواب دو گے۔" شاہ فیاض نے سوال کیا۔

"ان لوگوں کو اپنے ساتھ اسی غرض سے لایا ہوں — یہ اس جگہ سے واپس نہیں جا سکیں گے — بلکہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہ جائیں گے — میں اپنے ملک کو فوراً رپورٹ کروں گا کہ یہ لوگ مجھ سے سونا ہتھیا لے گئے — چلو ان کی تلاش کے لیے نکلا جائے — ان کی تلاش پوری دنیا میں کی جائے گی — لیکن یہ یہاں ہوں گے تو ملیں گے نا — کہیے — کیسی رہے گی۔"

"بہت خوب — اور — بہت پُرلطف —" شاہ فیاض نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھا پھر سودے کی بات کر لی جائے۔"

"ارے — یہ بات انسپکٹر جمشید کھڑے رہ کر سنے گا۔"

"ان کے کھڑے رہنے اور بیٹھنے سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے — البتہ یہ بات واضح ضرور کر دوں — کہ یہ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں — جس طرف بھی نظر اٹھائیں گے — ایک ہی طرف نکل پائیں گے — اور ان کے جو بچے درختوں کے پیچھے چھپے ہیں — ان کا بھی پہلے ہی انتظام کیا جا چکا ہے۔ وہ بھی ضرور جائیں گے — لیکن نرغے میں رہتے ہوئے۔"

جب تو یہ اس بار بہت بُرے پھنسے ہیں۔"

"یہ بات تو یہ پہلے ہی محسوس کر چکے ہیں — کیوں انسپکٹر"

"ہاں! ٹھیک ہے —" وہ مسکرائے۔

اس کے باوجود چہرے پر مسکراہٹ — شیخ بھوٹانی چونکا

"میری یہ مسکراہٹ تمہارے پورے منصوبے کا خاتمہ کر
گی۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب بات کہی۔

"ہائیں کیا کہا — اب تم مسکراہٹ کے ذریعے لڑو گے"
فیاض کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"شاہ فیاض — مجھے تمہاری ذہنیت پر بھی افسوس ہے —
مسلمان ہو کر ایک مسلمان حکومت کو نقصان پہنچا رہے ہو۔"
جمشید کی مسکراہٹ زہریلی ہو گئی۔

"نہیں — انسپکٹر جمشید — تم یہ الزام مجھے نہیں دے سکتے
نے تو صرف شیخ بھوٹانی سے سونا خریدنے کا معاملہ طے کی
ہے — اس کے پاس سونا کہاں سے آیا — یہ میرا مسئلہ نہیں
نہ ہی اس چکر میں پڑنا پسند کروں گا۔"

"خود غرضی اسی کو کہتے ہیں — اور یہ بات بھی غلط —
تم نہیں جانتے کہ سونا کہاں سے حاصل کیا گیا ہے — تم
پہلے سے موجودگی ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ تم سب ک
ہو۔" ان کے لہجے میں نفرت تھی۔

"[illegible] بات ہے — تو پھر ٹھیک ہے — مجھے کوئی پروا نہیں
[illegible] ملک کی — کیا دیا ہے تمہارے ملک نے آج تک ریاست
[illegible] — جب کہ شیخ بھوٹانی کے ملک سے ہمیں سب کچھ
[illegible]"

"[illegible] ہوں — یہ شیخ بھوٹانی کا ملک شارجستان تمہیں بھیک
[illegible] — صرف اور صرف اس لیے کہ مسلمان ہوتے ہوئے
[illegible]وں کے خلاف کام کرتے رہو — ان کے خلاف زہر اگلتے رہو
[illegible] کے گن گاتے رہو — تاکہ بڑی طاقتیں بھی شارجستان
[illegible]"

"ہو سکتا ہے — یہی بات ہو — لیکن ان باتوں کو اس وقت
[illegible] کیا فائدہ — ہم تو یہاں ایک عدد سودے کے لیے
[illegible] ہمیں اپنی بات مکمل کرنے دو۔"

"[illegible] — کیوں نہیں۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"[illegible] بھوٹانی — جلدی بتاؤ — تم کیا چاہتے ہو؟"

"[illegible] جمشید کے ملک میں اس معاملے کے بعد میرا رہنا بہت
[illegible] ہو جائے گا — یہ ٹھیک ہے — کہ انسپکٹر جمشید اور
[illegible] اس دنیا میں نہیں ہوں گے اور میرے بیٹے کسی
[illegible] نہیں بن سکیں گے — لیکن ان کے بھائی انسپکٹر کامران
[illegible] ہوں گے — وہ کیا چین سے بیٹھیں گے — لہٰذا

میرے لیے دو ہی صورتیں ہوں گی — یا تو میں ان کا بھی کام
کر دوں — یا پھر اس ملک سے نکل کر آپ کی پناہ میں —
مطلب ہے — خفیہ پناہ میں آ جاؤں — کسی کو کانوں کان پتا
ہو کہ میں کہاں ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں — میں تمہیں ساری زندگی پناہ دینے
لیے تیار ہوں۔"

"شکریہ! مجھے آپ سے یہی امید تھی — اس کے ساتھ
میرے لیے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ بھی کیے جائیں گے — میرا اصلی
نہیں ہو گا — یہ میرا نقلی چہرہ ہے — اصل چہرہ میں آپ کو
دوں گا — اس چہرے کے ساتھ میں آپ کی ریاست میں اپنی
کے باقی دن گزاروں گا — میں کوئی کام کاج نہیں کروں گا — خاد
کی فوج میرا ہر کام کرے گی — میرے عیش کا سامان کرے گی
"مجھے کسی قاتل کا احساس نہیں ہونے دے گی — کیا آپ کو یہ
باتیں منظور ہیں۔"

"بالکل منظور ہیں۔"

"تب پھر — سارا سونا آپ کا — ہم یہیں سے آپ کی ریا
چلیں گے۔" اس نے یک دم کہا۔

"کیا مطلب؟" شاہ فیاض زور سے چونکا۔

"مطلب یہ کہ اب میں انسپکٹر جمشید کے ملک میں واپس

"یعنی — وہاں — تمہارے بیوی بچے ہیں۔"

"وہ اس ملک کے ہیں — ہو سکتا ہے — کوئی ان میں وطن
... جائے — اور کل کو میرا راز ظاہر کر دے —
... نہیں ساتھ نہیں لوں گا — بس — اکیلا جاؤں گا —
... ساتھی بھی جائیں گے۔"

... گئے ہر شخص حیرانی — انسپکٹر جمشید کے چہرے پر
مسکراہٹ نظر آئی۔

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چیخا۔

"... ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ نہیں لے
... ان سب کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر یہاں سے
... کے ساتھ جاؤ گے — کیوں کہ شاہ فیاض اکیلے آئے ہیں —
... لانچ ان کی ہے — اور اس لانچ کو یہ خود چلاتے
اور تم یہ کرو گے کہ اپنے ساتھیوں کو اس لانچ میں سوار
... حکم دو گے — اور خود شاہ فیاض کے ساتھ اس کی
... سوار ہو گے — جب دونوں لانچیں سفر پر روانہ ہو
... — تو تمہارے ساتھیوں والی لانچ ایک دھماکے سے اڑ
... اور تمہارے ساتھی سمندر میں غرق ہو جائیں گے —
... منصوبہ ہے نا تمہارا؟"

"بالکل غلط — تم میرے ساتھیوں کو ورغلانے کی کوشش کر
ہو — بس نہیں چل رہا ہے نا تمھارا — سو اس طرح بس چلا
شیخ بھوٹانی کے لہجے میں گہرا طنز تھا — لیکن طنز کے پیچھے
غصہ بھی چھپا ہوا تھا۔

"اگر میری بات غلط ہے — تو میرے ایک سوال کا جواب
دو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کون سا سوال؟" "تمھارے ساتھیوں کو ضرور ضرورت —
کیوں کہ انھوں نے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہے — تو
ہے کہ ان کے ذہنوں میں تو سوال پیدا ہو چکا ہے — کہ کہیں
ایسی بات تو نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے روانی کے عالم میں کہا۔

"نہیں — میرا کوئی ساتھی — میرے بارے میں ایسی بات
سکتا۔" شیخ بھوٹانی بلند آواز میں بولا۔

"غلط — بالکل غلط — تمھارے بارے میں یہ لوگ ضرور سو
پڑ چکے ہیں — اس لیے کہ جو شخص اپنے ملک کو دھوکا دے
ہے — وہ اپنے ساتھیوں کو پہلے دھوکا دے گا — اگر تمھیں
بات کا یقین نہیں تو اپنے ساتھیوں سے پوچھ لو — پھر
بات کے درست ہونے کا ثبوت بھی ابھی کھڑے کھڑے
دوں گا — کیوں کہ تمھیں میرے بیٹھے یا کھڑے رہنے سے
کوئی دلچسپی ہے ہی نہیں۔"

"کیوں دوستو — تم نے انسپکٹر جمشید کی بات کا کوئی اثر تو
نہیں لیا نا؟"

"ہاں اس — ہم اثر لے چکے ہیں۔" ایک آواز ابھری۔

"کیا کہا — اثر لے چکے ہیں؟"

"ہاں — ہم اپنا اطمینان چاہتے ہیں۔"

بھوٹانی کا رنگ اڑ گیا — شاہ فیاض بھی ہکا بکا نظر آیا۔

"تمھارا ساتھ کتنا پرانا ہے۔" شیخ نے چیخ کر کہا — "اور
اس شخص کی باتوں میں آ گئے۔"

"تو پھر — انھیں ثبوت پیش کرنے دیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے — انسپکٹر جمشید کو ثبوت پیش کرنے دیں۔"

شیخ بھوٹانی نے بے بسی کے عالم میں چاروں طرف دیکھا — ایک
نظر شاہ فیاض پر ڈالی — پھر جھلا کر اس نے کہا:

"اچھی بات ہے — لیکن ایک بات سن لو — اگر انسپکٹر جمشید کی
بات ثابت ہو گئی — تو پھر میں تمھیں اپنے ساتھ نہیں لے
جاؤں — پھر تمھارا راستہ الگ ہو گا — اور ہمارا الگ۔"

"اس صورت میں انھیں دوسرا راستہ میں بتا دوں گا — تم فکر نہ
کرو۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

شیخ بھوٹانی نے انھیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر
ان کی طرف دیکھ کر بولا:

"ہاں! کیا کہتے ہو؟"

"مگر انسپکٹر جمشید ثبوت نہ دے سکے۔ تو ہم ہر سزا بھگتنے کے تیار ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ انسپکٹر جمشید اس بات کا ثبوت پیش کریں۔" ... نے فوراً کہا۔

"یہ کیا مشکل ہے۔ بالکل سیدھی بات ہے۔ مجھے اور میرے بچوں [illegible] لانچ پر جانے کی اجازت دی جائے۔ لانچ تم لوگ پہلے ہی بیچ چکے ہو۔ اس بات کا خطرہ تو ہے نہیں کہ ہم اس میں بیٹھ کر فرار ہو جائیں گے۔ اب اگر ہم وہاں سے تمام ... نکال [illegible] ہیں تو میری بات درست۔ اگر ناکام رہتے ہیں تو جھوٹے۔ ایک دوسرا طریقہ بھی ہے۔ جو اس سے بھی بہتر ہے۔"

"اور وہ کیا۔" درخت کی طرف سے آواز آئی۔

"یہ تم لوگوں کا جزیرے سے روانہ ہونے کا کوئی نہ کوئی وقت طے ہے۔ وہ وقت مجھے بتا دیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ شیخ صاحب نے کہا تھا کہ ہم جزیرے [illegible] ٹھیک سات بجے شام روانہ ہوں گے۔" ایک نے کہا۔

"بہت خوب۔ اب سات بجے ہرگز روانہ نہ ہو۔ [illegible] ہونا۔ اگر نو بجے تک لانچ نہ پہنچے تو میں جھوٹا۔"

"اس ترکیب میں بہت انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جا کر [illegible]

ہم نکال لائیں۔ آپ لوگوں کی تلاشی ہم پہلے ہی لے چکے ہیں۔"

"منجو۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ میری [illegible]۔ دشمنوں پر بھروسہ کر رہے ہو۔"

"اس وقت یہ دشمن ہمیں بہت پیارے لگ رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں۔ مسٹر منجو۔ یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ پیارے دشمن۔" ... نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے۔" منجو بھی گھبرا گیا۔

"ہم۔ میرا مطلب ہے۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا [illegible]۔" فاروق مسکرایا۔

"وعت تیرے کی۔" محمود نے تلملا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"تم نے کیا کہا منجو۔ یہ لوگ تمھیں پیارے لگ رہے ہیں۔ [illegible] پھر سن لو۔ اگر تم نے انھیں یہ موقع دیا، تو یہ لانچ لے [illegible] فرار ہو جائیں گے۔ اور یاد رکھو۔ سونا لانچ میں ہی ہے۔"

"سونا بھی دوسری لانچ میں لادنے کا پروگرام تھا۔ اوہ۔" ... نے چونک کر کہا۔

"بہت خوب۔ یہ ایک اور بات میری بات کی تائید میں ہو [illegible]۔" انسپکٹر جمشید چہکے۔

"اب تو ہم تجربہ ضرور کریں گے۔" منجو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"بالکل ٹھیک استاد منجو۔ طاقت اس وقت ہمارے ہاتھ میں

بے۔ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔"

"تم اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کر سکو گے کہ انسپکٹر ج
کے ہاتھوں دھوکا کھا جاؤ گے۔" شیخ نے جل بھن کر کہا۔

"ہم نہ ان سے دھوکا کھائیں گے۔ نہ آپ سے۔ اب
کی تحقیقات ہو کر رہے گی۔"

"بہت خوب منجو۔ بہت عقل مندانہ فیصلہ ہے۔" انسپکٹر جم

"ہماری طرف سے اجازت ہے۔ آپ لانچ پر جا سکتے ہ
بم برآمد کر کے دکھائیں۔ لیکن ہماری ایک شرط ہے۔ یہ کہ
چار ساتھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔ اس طرح اس بات
امکان بھی نہیں رہے گا۔ کہ آپ لانچ سٹارٹ کر لیں
اور بھاگ نکلیں گے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر چلیے۔ اور ہاں۔ آپ کے بچے درختوں پر
ہیں۔ ہماری نظروں میں ہیں۔ ان سے کہیے، نیچے اتر کر
کا ساتھ دیں۔ بم ملنے میں زیادہ وقت تو نہیں لگے گا۔"

"امید یہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، پھر بلند آواز میں

"نیچے آجاؤ بھئی۔ حالات پلٹا کھا چکے ہیں۔"

دھم دھم کی آوازیں گونجیں۔ پھر چاروں لانچ کی طرف
بڑھے۔ منجو کے چار ساتھی بھی درختوں سے کودے تھے۔

درختوں پر موجود رہے اور جھنڈ میں شیخ سبحانی اور
پتھر کے بتوں کی طرح کھڑے تھے۔ یوں لگتا تھا
وہ حال ہے۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔
قدم اٹھاتے لانچ تک پہنچے۔ ایسے میں ایک رائفل

ہاتھوں میں شامی پستول بھی موجود ہیں۔ کوئی غلط
کی کوشش نہ کرنا۔"

کرو۔ ہمیں غلط حرکت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے،
اس کے بغیر ہی کام چل رہا ہے۔" فاروق مسکرایا۔
سوار ہو کر انھوں نے تیزی سے اپنا کام شروع کیا۔
کا دیا ہوا ایک ننھا سا آلہ فاروق کی جیب سے
تھا۔ اس کی وجہ سے اور آسانی پیدا ہو گئی۔ ایک
آلے میں حرکت محسوس ہوئی۔ لانچ کے اس حصے کا
جائزہ لیا گیا اور آخر دس منٹ کی کوشش کے بعد ٹائم بم
ہاتھوں میں تھا۔ اس پر آٹھ بجے کا وقت سیٹ کیا
دیکھ کر ان چاروں کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔
۔ اگر یہ حضرات یہ بات سامنے نہ لاتے تو آٹھ
ہماری لاشوں کے ٹکڑے مچھلیاں کھا رہی ہوتیں۔" ایک
آواز میں کہا۔

"اور شیخ بھوٹانی شاہ فیاض کے ساتھ ریاست جوس میر کا
ہوتا اور سارا سونا بھی ان کے ساتھ ہوتا — ویسے ایک بات اور
انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ضرور بتائیے۔"

"پہلے میری بات کا جواب دیں — کیا آپ کو معلوم ہے —
کہاں ہے؟"

"ٹرک میں۔"

"تو پھر ٹرک کا جائزہ بھی لے لو — شاید یہاں بھی

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑے۔

"مطلب یہ کہ تمھیں شیخ بھوٹانی کے بارے میں کچھ اند

وہ چاروں ٹرک پر چڑھ گئے — اس وقت انھیں یہ ا
نہ رہ گیا کہ انھیں تو انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کی نگ
لیے ساتھ بھیجا گیا تھا —

مزے کا مزا

"کیا ہوا اکرام — تم بہت خوف زدہ نظر آ رہے ہو۔"

"یہ حلیہ شیخ بھوٹانی کا ہے — شیخ بھوٹانی ہمارے دشمن ملک کا ایجنٹ ہے — ہمارے ملک میں رہتا ہے — لیکن ہم اسے ابھی تک گرفتار نہیں کر سکے — ماہرین کا خیال ہے کہ اس کا یہ حلیہ فرضی ہے — اصل حلیہ کچھ اور ہے — وہ جب ضرورت پڑتی ہے، اپنا حلیہ تبدیل کر لیتا ہے — لیکن خیر — میں اس کے ایک دو ٹھکانوں سے واقف ہوں، اگرچہ ان ٹھکانوں پر جب بھی چھاپہ مارا گیا — وہ نہیں مل سکا — لیکن اب ہم وہاں جانے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"بس انسپکٹر اکرام — اس وقت تم میری ماتحتی میں ہو — جو میں کہوں گا — تم وہ کرو گے۔" انسپکٹر خالد نے جھنجھلا کر کہا۔

"تب پھر فرمائیے — ہم کیا کریں۔" اکرام نے کندھے اچکائے۔

"میرا خیال ہے — یہ ٹیم کچھ درست نہیں ہے۔" ایسے ہی

خان رحمان بول اٹھے۔

"میں بھی بہت دیر سے یہی محسوس کر رہا ہوں۔" پ[illegible]

داؤد بولے۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر خالد زور سے چونکا۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ ہماری ٹیم سے الگ ہو[illegible]

سب انسپکٹر اکرام کی ڈیوٹی میرے ساتھ آئی جی صاحب

لگائی ہے۔ یہ بات آپ ان سے کریں۔" اس نے جھلا کر [illegible]

"بہت خوب۔ شکریہ۔" انھوں نے کہا اور فون کا ر[illegible]

اٹھا کر آئی جی صاحب کے نمبر ڈائل کرنے لگے۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"وہی۔ جس کا مشورہ آپ نے دیا ہے۔" وہ مسکرائے۔

اسی وقت سلسلہ مل گیا۔ اور آئی جی صاحب کی آوا[illegible]

دی۔ خان رحمان نے صورت حال ان پر واضح کی اور

مقصد بیان کیا۔

"ٹھیک ہے۔ ریسیور انسپکٹر خالد کو دے دیں۔"

"مسٹر خالد۔ آئی جی صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے

"لائیے۔" اس نے جھلا کر کہا اور ریسیور کان سے

بات سننے لگا، پھر ریسیور ہینچ کر بولا:

"میں خود آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا[illegible]

[illegible] کر کر وہ اپنے باقی ماتحتوں کے ساتھ پاؤں پٹختا چلا گیا۔

"[illegible] اللہ تیرا شکر ہے۔ ایک الجھن سے تو نجات ملی۔" اکرام

[illegible] خوش ہو کر کہا۔

"[illegible] چلو۔ شیخ جیوٹانی کے ٹھکانے کی طرف۔ کیا خبر۔ وہاں

[illegible] ملاقات انسپکٹر جمشید اور بچوں سے ہو جائے۔"

"[illegible] کرے ایسا ہی ہو۔" وہ بولے۔

[illegible] منٹ بعد ان کی کار برق رفتاری سے جا رہی تھی۔ آخر

[illegible] عالی شان ہوٹل کے سامنے رکی:

[illegible] نے اس ہوٹل کے منیجر سے شیخ جیوٹانی کو ایک بار یہاں

[illegible] دیکھا تھا۔ اس کے جانے کے صرف ایک منٹ بعد

[illegible] پتا چلا تھا کہ وہ شیخ جیوٹانی ہے۔ ہیں اس کی تلاش

[illegible] لیکن وہ اس طرح غائب ہو چکا تھا جیسے گدھے

[illegible] سینگ۔ اس کے بعد ہوٹل کے مالک کو بھی ٹٹولا

[illegible] تھا۔ لیکن اس کا بیان یہ تھا کہ اسے نہیں معلوم تھا کہ

[illegible] ہے۔ وہ تو کمرہ کرائے پہ لینا چاہتا تھا۔ لیکن اس

[illegible] کمرہ خالی نہیں تھا۔ ہوٹل کے مالک کا یہ بیان بہت

[illegible] تھا۔ یہ بات تو ہو سکتی ہے کہ اس وقت کوئی کمرہ...

[illegible] ہو۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کمرے کے بارے میں بات

[illegible] کے لیے۔ اس شخص یعنی شیخ جیوٹانی کو ہوٹل کے مالک

سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی — جب کہ ہو
ہی سارا عملہ موجود تھا — یہاں تک کہ منیجر اور نائب منیجر
موجود تھے — اس اعتراض کا جواب ہوٹل کے مالک نے یہ
تھا کہ بس اتفاق سے ہی وہ اس تک پہنچ گیا تھا — ور
اسے کمرے کی بہت ضرورت تھی — اس نے سوچا ہو گا کہ
مالک کچھ مدد کرے — بات آئی گئی ہو گئی تھی — لیکن مجھے
بات یاد رہ گئی — بس جب بھی اس ہوٹل میں آیا — میں نے
سیٹھ گھوٹانی کی تلاش میں نظریں ضرور دوڑائیں — لیکن پھر وہ مجھے
نظر نہیں آ سکا۔"

"تب تو ہو سکتا ہے — سیٹھ گھوٹانی کا واقعی اس ہوٹل
کوئی تعلق نہ ہو۔"

"بالکل! اس بات کا زبردست امکان ہے — لیکن ہم
کریں بھی کیا — اس قسم کا ایک اور ٹھکانا بھی ہے — یہاں
کے بعد وہاں چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے — کچھ نہ کرنے سے کرنا بہتر ہے — جب
نہیں کر سکے گا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہے —
ان کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔" خان رحمان بولے۔

"اور — خان رحمان — مجھ پر تو — مجھ پر تو بہت جوش
ہوتا جا رہا ہے۔"

"جی — کیا مطلب —" خان رحمان حیران رہ گئے۔
"ہاں! میں — میں محسوس کر رہا ہوں — فاروق کی روح مجھ
میں حلول کر گئی ہے — اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ — میں —
ایک سائنس دان نہیں — ایک جاسوس ہوں۔" انھوں نے
کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اور — تب تو — فاروق اس وقت خود کو ایک عدد سائنس
دان محسوس کر رہا ہو گا۔"

"ایک — کیا مطلب؟"

"اگر آپ میں فاروق کی روح آ گئی ہے تو صاف ظاہر
ہے — آپ کی روح اس میں جا چکی ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ارے باپ رے —" پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"لیجیے — ہم پہنچ گئے۔"

ڈرائیور کی آواز نے انھیں چونکا دیا — انھوں نے دیکھا، وہ
ایک بہت بڑے اور شاندار قسم کے ہوٹل کے سامنے کھڑے تھے —
یہ ٹی کے ہوٹل تھا۔

"ہوٹل شان دار ضرور ہے۔ لیکن نام عجیب سا ہے۔" خان
رحمان بڑبڑائے۔

"ظاہر ہے اس کے مالک کے نام کے پہلے انگریزی حروف ہیں۔"
انھوں نے خیال ظاہر کیا۔

"تم تو اس سے مل چکے ہو۔ کیا نام ہے اس کا؟"
"نام پوچھنے کا آج تک اتفاق نہیں ہو سکا۔ آج معلوم کر
لیں گے۔" وہ مسکرایا۔
کار پارک کر کے تینوں اندر داخل ہوئے۔ ایسے میں اکرام
نے کہا:
"ویسے میں آپ دونوں کا حد درجے شکر گزار ہوں۔ اکیلے
خالد تو میری جان کھا جاتے۔ اب کام کرتے ہوئے بہت
آ رہا ہے۔"
"لیکن اکرام۔ اس مزے کا مزا اسی وقت ہے۔ جب
یہاں شیخ جوٹانی سے بھی ملاقات ہو جائے۔" پروفیسر داؤد
"آپ دعا کریں۔" یہ کہہ کر اکرام آگے بڑھا۔
کاؤنٹر پر موجود عملے نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر
نہ دیکھا۔
"اے مسٹر۔ ہمیں ہوٹل کے مالک سے ملنا ہے۔"
"وہ اپنے کمرے میں ہوں گے جناب۔ اگر وہ ملنا
کریں تو ضرور مل لیں۔ ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے"
"اور ہم اعتراض کرنے والے ہیں کون۔" دوسرے
لقمہ دیا۔
وہ برے سے منہ بناتے ہوئے اندر کی طرف بڑھے۔

"معلوم ہوتا ہے۔ اکرام۔ یہاں تمہیں پسند نہیں کیا جاتا۔"
"جی نہیں۔ ہوٹلوں کے مالکان اور ان کے ملازم رشوت خور
لال کو پسند کرتے ہیں۔ مجھ جیسوں کو نہیں۔"
"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"
شیخ کے بنے ہوئے ایک بڑے کمرے میں انھیں ایک
موٹا آدمی بیٹھا نظر آیا۔ وہ نہ صرف موٹا تھا۔ بلکہ
قد کا بھی تھا۔ اور کمرے میں بیٹھا ہوا بالکل
گینڈا نظر آ رہا تھا۔
"یہ ہیں ہوٹل کے مالک۔" اکرام نے دبی آواز میں کہا۔
انگلی سے دروازہ بجایا۔
ہوٹل کا مالک اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے کاٹ لیا
ہو۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اسی وقت
انھوں نے تیز تیز قدموں کی آواز سنی۔ ایک باوردی ملازم
تک پہنچا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔
ہی شیخ کے کمرے کا دروازہ کھل گیا۔
"آؤ۔ تم بھی اندر آؤ۔ اور ان لوگوں کو بھی اندر
آؤ۔"
"او۔ او کے سر۔" اس نے لرز کر کہا۔
وہ اندر داخل ہو گئے۔ شیخ کا دروازہ خود بخود بند

ہو گیا۔ ہوٹل کا شور یک دم غائب ہو گیا۔

"تم کہاں مر گئے تھے۔" اس نے رامو کی طرف دیکھا۔

"آپ نے ہی منیجر صاحب کے پاس بھیجا تھا — ایک فائل دے کر۔"

"اور فائل دے کر آنے میں اتنی دیر لگا دی کہ ان لوگوں نے میرا دروازہ بجا ڈالا۔"

"منیجر صاحب کمرے میں موجود نہیں تھے سر — میں واپس آ رہا تھا کہ وہ یک دم کمرے میں داخل ہوتے نظر آئے۔ اس طرح مجھے چند سیکنڈ کی دیر ہو گئی۔" اس نے بدستور آواز میں کہا۔

"چند سیکنڈ کی دیر تو موت کا پیغام بن جاتی ہے رامو۔"

"یس — سر۔" وہ کانپ گیا۔

"اچھا باہر ٹھہرو — اگر ایک سیکنڈ بھی ادھر سے ادھر ہوئے تو انجام برا ہو گا۔"

"یس — سمجھ گیا — سر۔"

اس نے فوراً کہا اور باہر نکل گیا۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کے دروازے پر دستک دینے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔" اس نے ناخوش انداز میں انھیں گھورا۔

"ہاں جناب — بے شک ہوتے ہیں — لیکن ہمیں دروازے پر کوئی دربان نظر نہیں آیا تھا۔"

"گھنٹی میں نے خود نہیں لگوائی — ہر وقت چوکیدار موجود ہوتا ہے — آپ کو اس کا انتظار کر لینا چاہیے تھا — کم از کم یہ صاحب تو ...یں — پہلے بھی مجھ سے شیخ بھوٹانی کے سلسلے میں ... ہیں۔"

"آپ کی یادداشت حیرت انگیز ہے۔" اکرام بولا۔

"یہ تو بالکل حیرت انگیز بات نہیں — کبھی نہیں — میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں آپ کو اپنی یادداشت کی کہانیاں سناؤں — یہ فرمائیں — کیسے تشریف لائے ہیں؟"

"کیا کھڑے کھڑے بتائیں۔" پروفیسر داؤد غصے میں آ گئے۔

"نہیں — بیٹھ کر بتائیں —" وہ مسکرایا — اس کی مسکراہٹ بھی عجیب تھی۔

"ہم اتفاق سے اس وقت بھی شیخ بھوٹانی کے سلسلے میں آئے ہیں۔"

"اوہ — میں آپ کو کتنی بار بتاؤں — کہ میرا یا میرے ملازم کا شیخ بھوٹانی سے کوئی تعلق نہیں ہے — آخر آپ لوگ میری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے۔"

"ہم نے تو یقین کر لیا تھا — اب یہ آئے ہیں نا یقین

کرنے کے لیے ۔" اکرام نے فوراً کہا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"کیا مطلب ۔ کیا آپ لوگ یہاں میرا مذاق اڑانے آئے ہیں آپ لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"میرے جناب ۔ گرفتار تو آپ ہمیں نہیں کرا سکتے۔" پروفیسر

"یہ آپ نے کیا کہہ دیا ۔ میرے لیے یہ کیا مشکل ہے شہر کا کمشنر میرے اشاروں پر ناچتا ہے۔"

"میرا خیال ہے ۔ آپ ہماری گرفتاری کا تجربہ بھی ہی لیں ۔ ویسے آپ کا نام کیا ہے۔"

"کیا مطلب ۔ یہ میرا نام کہاں سے ٹپک پڑا ۔" زور سے چونکا۔

"ایسے ہی پوچھ لیا۔"

"میں جمال کنور ہوں ۔" وہ غرایا۔

"شکریہ ۔ اب آپ پولیس کو بلا لیں۔"

"اگرچہ میرے پاس اس قسم کی باتوں کا وقت نہیں ہے ، لیکن پھر بھی میں آپ کی خواہش ضرور پوری کروں یہ کہہ کر اس نے کرسی کے پائے میں لگا ایک چھپے رنگ بٹن دبا دیا ۔ کچھ اور رنگوں کے بٹن بھی وہاں لگے ۔

"آپ کو صرف دو منٹ انتظار کرنا ہو گا ۔ پھر پولیس

وہ ہو گی۔"

"شکریہ ۔ بہت بہت شکریہ ۔" اکرام نے خوش ہو کر کہا۔

"اس سے پہلے کہ پولیس یہاں آئے ۔ آپ ہمیں شیخ بھوٹانی ہیں تو بتا دیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہوں؟" وہ پوچھ اٹھا۔

"ہم اس سے کہاں مل سکتے ہیں۔"

"میں تو یہ تک نہیں جانتا کہ شیخ بھوٹانی ہے کون۔"

"لیکن میں نے آپ کو اس سے یا اسے آپ سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔" اکرام نے کہا۔

"ہوٹل میں آنے والے ایک گاہک کی حیثیت سے اس نے کوئی بات پوچھی ہو گی اور میں نے جواب دیا ہو گا ۔ اس وقت یہیں آپ بھی تشریف رکھتے ہوں گے ۔ بس نوٹ کر بات کو اور پکڑ کر بیٹھ گئے ۔ میں کہتا ہوں ۔"

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک پولیس انسپکٹر اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اندر داخل ہوا ۔ چند کانسٹیبل باہر بھی کھڑے نظر آئے۔

"حکم ہے کنور صاحب ۔" انسپکٹر نے باادب لہجے میں کہا۔

"ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں آپ۔"

"جی ہاں ۔ کیوں نہیں ۔ کیا ہے ان لوگوں کا مسئلہ ۔ ارے۔"

اس نے پہلے سرسری انداز میں ان کی طرف دیکھا — لیکن پھر
دم چونک اٹھا۔

"کیا ہوا؟" جمال کنور نے اسے گھورا۔

"یہ — آپ — ان لوگوں کو گرفتار کرانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں؛ بالکل — اور یہ گرفتار ہوں گے — گرفتار ہو
ہی یہاں سے جائیں گے۔"

"جب کہ ہمارا خیال ہے — ہمارے فرشتے بھی گرفتار
کیسے جا سکیں گے۔"

"پہلے تعارف ہو جائے جناب —" انسپکٹر نے جلدی سے

"نہیں انسپکٹر صاحب — تعارف میں ان کی گرفتاری کے
کراؤں گا —" جمال کنور نے انکار میں سر ہلایا۔

"بہتر یہی ہو گا جناب — کہ آپ پہلے ان کے نام سن
یہ سب انسپکٹر اکرام ہیں — انسپکٹر جمشید کے اسسٹنٹ —
نام تو آپ نے سن ہی رکھا ہو گا۔"

"میں نے کہا ہے — پہلے انھیں گرفتار کر لیں —" جمال
نے سرد لہجے میں کہا۔

"معاف کیجیے گا جناب — آپ کو پہلے ان کا جرم
ہو گا۔" انسپکٹر بولا۔

"یہ — یہ بات آپ نے مجھ سے کہی — دماغ تو ٹھیک

ان لوگوں کو بغیر کسی الزام کے گرفتار کرنا میرے لیے مصیبت
بن جائے گی — آپ نہیں جانتے — یہ خان رحمان ہیں — ہمارے
ملک کے دولت مند ترین اور بااثر آدمی — اور یہ ہیں پروفیسر داؤد
— ملک کے مشہور ترین سائنس دان۔"

"تم انھیں گرفتار کر رہے ہو یا نہیں؟"

"اگر انھوں نے کوئی جرم کیا ہے — تو وضاحت کر دیں —
صورت میں میں انھیں ضرور گرفتار کر دوں گا —"

اس نے کوئی جواب دیے بغیر فون کا ریسیور اٹھایا اور
نمبر ملائے — پھر جلدی سے بولا:

"جمال کنور بول رہا ہوں — انسپکٹر رمضان میرے حکم کی تعمیل
نہیں کر رہا۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی اور ریسیور اس کی طرف بڑھا
دیا۔ اس کا ہاتھ کانپ گیا — چہرے پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

"ابھی گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" پروفیسر
داؤد مسکرائے۔

"یس — یس — سس — سر —" اس نے ہکلا کر کہا۔

دوسری طرف سے اسے نہ جانے کیا کہا گیا — اس کا چہرہ
سفید ہو گیا۔

"سر — ان کے نام خان رحمان، پروفیسر داؤد اور سب انسپکٹر

اکرام ہیں — پھر نہ کہیے گا — میں آپ کی ذمہ داری پر ا
گرفتار کر رہا ہوں۔"

"کیا کہا — کمشنر صاحب دھک سے رہ گئے — پھر جل
سے بولے:

"ریسیور جمال کنور صاحب کو دو۔"

اب پھر ریسیور جمال کنور کے ہاتھ میں تھا اور کمشنر
نہ جانے اس سے کیا کہہ رہے تھے — جمال کنور کا چہرہ
پڑتا جا رہا تھا — اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ
پھر ان کی طرف مڑا:

"آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ جی —" خان رحمان نے انسپکٹر رمضان کی
دیکھ کر کہا:

"میں آپ سے بھی کہہ رہا ہوں۔" اس نے تلملا کر
"ہمیں جانے کی اتنی جلدی نہیں ہے — ابھی شیخ
کے بارے میں بات مکمل نہیں ہوئی۔"

"میں بتا چکا ہوں — میں اسے —"

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — عین اسی وقت
فون کی آواز گونجی تھی — ساتھ ہی کسی نے بالکل صاف
میں کہا:

"ہیلو جی سے — شیخ بھوٹانی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے — ہمیں پولیس انسپکٹر کو روک لینا چاہیے۔" خان
رحمان جلدی سے بولے۔

"اوہ ہاں — اکرام — جاؤ — اسے واپس لے آؤ۔"

اکرام تیزی سے اٹھا اور دروازہ کھولتے ہوئے نکل گیا۔

"مطلب؟" جمال کنور دھاڑا۔

"مطلب یہ کہ — آپ شیخ بھوٹانی کو اچھی طرح جانتے ہیں —
لیکن آپ نے قانون کو دھوکا دینے کی کوشش کی اور غلط
اطلاعات ہم پہنچائیں — لہٰذا ہم آپ کو گرفتار کر رہے ہیں۔" خان
رحمان بولے۔

"آپ لوگ ضرور احمقوں کے شہر سے آئے ہیں۔"

"ابھی ہمارے ملک میں اس شہر کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔"
خان رحمان مسکرائے۔

اسی وقت اکرام انسپکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوا:

"انسپکٹر صاحب — تھوڑی دیر پہلے آپ ایک ناخوش گوار فرض
کو بجا نہیں لا سکے — لیکن اس قسم کا ایک اور ناخوش گوار فرض
اب آپ کو بجا لانا ہے — اور وہ یہ کہ آپ مسٹر جمال کنور
کو گرفتار کر لیں۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

جمال گنور پہلے ہی وائرلیس کا بٹن آف کر چکا تھا۔ اُ
دوسری طرف کی بات کا کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"بالکل ٹھیک کر رہے ہیں۔ اکرام۔ تم کاؤنٹر پر جاؤ
رحمان نے کچھ سوچ کر کہا۔

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور فوراً باہر نکل گیا۔

"میں کیا کروں سر۔" انسپکٹر نے پریشان آواز میں کہا۔

"اگر آپ ہماری بات نہیں مانتے تو کچھ دیر انتظار کر
جب اوپر کے آرڈر مل جائیں۔ تو گرفتار کر لیجیے گا۔"
داؤد نے کندھے اچکائے اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

ادھر اکرام تیز تیز قدم اٹھاتا کاؤنٹر پر گیا۔ سے ڈا
فون کا ریسیور اٹھایا اور آئی جی صاحب کے نمبر ملانے
سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا۔

"سر۔ ایک سراغ ملا ہے۔ لیکن ایک مرحلہ بھی درپیش
ہمیں جے کے ہوٹل کے مالک کو گرفتار کرنا ہے۔"

"کیا!!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ جے کے تو بہت اثر
رسوخ والا آدمی ہے۔"

"اس وقت ہمارا مسئلہ ہے انسپکٹر صاحب کا سراغ لگانا
میرا خیال ہے۔ یہ سراغ جے کے کے ذریعے ضرور لگ سکتا

"اوہو اچھا۔ ایسی بات ہے۔ خیر۔ میں آتا ہوں۔"

"یہ آپ نے کیا کہا سر۔ آپ کو آنے کی کیا ضرورت۔"

"جمشید کے لیے مجھے آنا ہی ہو گا۔" وہ بولے۔

"تو پھر ذرا جلدی کریں۔ جمال گنور غصے میں بھرا ہوا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔" انھوں نے کہا۔

فون کر کے اکرام پھر اس کمرے میں آ گیا۔ یہاں مکمل
خاموشی تھی۔

"خیر تو ہے۔ آپ سب خاموش ہو گئے۔"

"فی الحال۔ یہاں بولنے کے لیے کچھ رہ ہی نہیں گیا۔"
رحمان مسکرائے۔

"جمال گنور صاحب بھی کچھ نہیں کہہ رہے۔"

"نہیں۔"

"انھیں گرفتار کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں۔ اگر یہ شیخ
جمال کے بارے میں بتا دیں۔ اس وقت تک تو یہ کہتے رہے
ہیں کہ بھوٹانی کو نہیں جانتے۔ لیکن اب یہ بات ثابت ہو گئی
ہے کہ انھوں نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ نہ صرف شیخ بھوٹانی کو
جانتے ہیں۔ بلکہ اس سے ان کا کوئی گہرا تعلق بھی ہے۔"

"وہ غلط ہے۔"

"اور وہ پیغام جو وائرلیس پر موصول ہوا تھا۔"

"آپ لوگوں کے کان بجے تھے — ایسا کوئی پیغام موصول
ہوا تھا —" اس نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔

"ہمیں آئی جی صاحب کا انتظار ہے۔" اکرام نے منہ بنا
"کیا — آئی جی صاحب یہاں آ رہے ہیں —" وہ اچھل
اور پھر فوراً ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو — جمال کنور بول رہا ہوں — آپ کی یہاں فوری
ہے —" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا پھر بو

"بالکل آپ کا آنا ضروری ہے اور فوری بھی —
بہت شکریہ۔"

دس منٹ بعد آئی جی صاحب اندر داخل ہوئے اور
کے دو منٹ بعد کمشنر صاحب اندر آ گئے — انھوں نے
سے ہاتھ ملائے۔

"یہاں جمع ہونے پر حیرت بھی ہو رہی ہے اور افسو
آئی جی بولے۔

"پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ معاملہ کیا ہے۔"
صاحب نے کہا۔

"مجھے اجازت دیں — میں وضاحت کیے دیتا ہوں۔"
"ایک منٹ —" کمشنر صاحب نے کہا اور جمال کنور سے

"اگر سب انسپکٹر اکرام معاملے کی وضاحت کریں تو آپ کو
کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے — یہ کوئی ادھر ادھر کی بات کر جائیں — لہذا
موقع مجھے ملنا چاہیے۔" جمال کنور نے کہا۔

"آپ لوگوں کو اس پر کوئی اعتراض ہے؟"

"پہلے انھیں بیان کرنے کا موقع دے دیا جائے — بعد میں
— اگر ضرورت ہوئی تو ہم بھی کچھ عرض کر دیں گے۔"
رحمان بولے۔

"ٹھیک رہے گا۔"

جمال کنور نے ان کی آمد کے بعد کے واقعات سنا دیے —
نہیں بتایا کہ وائرلیس پر شیخ بھوٹانی کا پیغام بھی آیا
تھا — جس کو سنا نہیں گیا — بات مکمل کر کے جب وہ خاموش
تو کمشنر صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں! ایک دو باتیں ہمیں بھی بتانا ہوں گی — ہماری
موجودگی میں وائرلیس پر ایک پیغام موصول ہوا تھا — یہ کہ
بھوٹانی جمال کنور صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں — انھوں
وائرلیس سیٹ کو آف کر دیا —"

کمشنر صاحب دھک سے رہ گئے — انھوں نے جمال کنور
کی طرف دیکھا۔

"آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہوئی — وائرلیس سیٹ پر کوئی
موصول نہیں ہوا۔"

اس مرتبہ حیران رہ جانے کی باری ان کی تھی —

دو دو ہاتھ کر لو

"ہم ثابت کر سکتے ہیں جناب — ان کے نام شیخ بھوٹانی کا پیغام
آیا تھا کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتا ہے — آخر کیوں — ان کا
بیان ہے کہ یہ شیخ بھوٹانی کو جانتے ہی نہیں —" اکرام نے تیز
لہجے میں کہا۔

"کیا ثبوت ہے تم لوگوں کے پاس —" جمال کنور نے جل بھن
کر کہا۔

"لیجیے حضرات — ثبوت سن لیجیے —" یہ کہہ کر اکرام نے ہاتھ والی
گھڑی میں لگا ننھا سا ٹیپ ریکارڈر چلا دیا — جلد ہی اس میں وہ
گفتگو سنائی دینے لگی جو ان کے اور جمال کنور کے درمیان ہوتی رہی
تھی — پھر وائرلیس پہ ٹوں ٹوں سنائی دی اور شیخ بھوٹانی کا پیغام
سنائی دیا — اس کے بعد وائرلیس سیٹ بند کرنے کی آواز بھی سنائی
دی — ٹیپ ریکارڈر بند کر کے وہ ان کی طرف مڑا:

"اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

جمال کنور کا رنگ اس جملے سے پہلے ہی اڑ چکا تھا۔

"یہ میں نے کیا سنا ہے جمال کنور۔" کمشنر صاحب غرائے۔

"یہ۔ ٹھیک ہے۔ جناب کہ شیخ بھوٹانی سے میرے تعلقات کسی زمانے میں رہے ہیں۔ لیکن مدت ہوئی۔ میں نے سے تعلقات ختم کر لیے تھے۔ لیکن وہ اب بھی اس کوشش ہے کہ میں اس سے دوستی کر لوں۔ جب کہ میرا ایسا کوئی ا نہیں۔ وہ درست آدمی نہیں ہے۔"

"اب یہ حضرت پھر جھوٹ بولنے کی کوشش فرما رہے اکرام بولا۔

"نہیں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔" وہ چلایا۔

"میرا خیال ہے۔ یہاں موجود کسی بھی شخص کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا ہوگا۔" آئی جی صاحب مسکرائے۔

سب نے انکار میں سر ہلا دیے۔ کمشنر صاحب نے بھی گویا وہ بھی جمال کنور کو جھوٹا سمجھنے لگے تھے۔

"یہ بات نوٹ فرمائیں سر۔ شیخ بھوٹانی کا پتا اگر کسی چل سکتا ہے تو صرف اور صرف جمال کنور صاحب سے۔ جہاں شیخ بھوٹانی ہے، وہیں انسپکٹر صاحب اور ان کے بچے ہیں۔ اگر آپ انسپکٹر صاحب اور ان کے بچوں کو واپس چاہتے ہیں تو جمال کنور کو میرے حوالے کر دیں۔ بصورت

ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ اکرام ٹھیک کہہ رہا ہے۔" آئی جی بولے۔

"میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔" کمشنر صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے اکرام۔ تم جمال کنور کو لے جا سکتے ہو۔"

"نہیں۔" جمال کنور زور سے چلایا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

"بہت شکریہ سر۔" اکرام خوش ہو کر بولا۔

پھر اس کے ماتحتوں نے جمال کنور کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیں۔

"جانے سے پہلے ایک آدھ بات پوچھنے کی اجازت دیں سر۔" کمشنر صاحب کی طرف مڑا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" وہ بولے۔

"آپ کے مسٹر جمال کنور سے کس قسم کے تعلقات ہیں؟"

"ہیں دوستانہ۔ نہ جانے کس طرح ہماری دوستی ہو گئی تھی۔ دوست ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان غیر قانونی کام شروع اور قانون کے راستے میں روڑے اٹکائے۔ مجھے یاد ہے۔ میری ان سے کسی پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھے اپنے ہوٹل میں دعوت دی۔ ان کا کھانا بہت اچھا تھا۔ اس طرح دوستی ہو گئی۔ اکثر یہ میری دعوت کرتے ہیں اور بس۔"

"بشکریہ سر — میں سمجھ گیا — ایسے ہی لمحات کے لیے ایسے بڑے لوگوں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں — ایک بات اور — کیا آپ جانتے ہیں — جمال کنور ہندو ہیں؟"

"کیا — نہیں — یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی — کیا یہ پکے ..." کمشنر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔

"ہاں جناب! یہ ہندو ہیں — کیوں جمال کنور میں نے غلط تو نہیں کہا: اکرام مسکرایا۔

"بالکل غلط — میں ایک مسلمان آدمی ہوں۔"

"آخر تم نے یہ بات کس طرح کہہ دی اکرام — اس میں تو کوئی بات ہندوانہ نہیں ہے؟"

"اس ہوٹل میں نہ ہو گی — ان کے گھر میں جا کر یہ ضرور ثابت ہو جائے گی۔"

"کیا مطلب — کیا تم ان کے گھر بھی جا چکے ہو — کمشنر صاحب کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہیں جناب — میں تو جانتا بھی نہیں کہ ان کا گھر کہاں ہے۔"

"تب پھر — تم نے یہ بات کس طرح کہہ دی؟"

"پریشانی کے لمحات میں انھوں نے کئی بار ہندوؤں کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑے — جب کہ ایک مسلمان دعا کے انداز میں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔"

"اوہ — ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"پتا نہیں — مسٹر اکرام میرے خلاف کیا کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں — جمال کنور نے جھلا کر کہا۔

"یہ کہ آپ ہندو ہیں — شیخ مجوشانی بھی ہندو ہے — ہندو اور ... ملک کے ہمدرد نہیں ہو سکتے — وہ دشمنی تو کر سکتے ہیں — نقصان تو پہنچا سکتے ہیں — فائدہ نہیں پہنچا سکتے — بس میں یہی کہنا چاہتا تھا — اب بھی اگر انھیں اس بات سے انکار ہے تو ہم سب ان کے گھر چلتے ہیں — دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"ہوں — کیا خیال ہے جمال کنور — کمشنر صاحب بولے۔

"مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں — میں اپنے وکیل سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کے وکیل سے آپ کی ملاقات ضرور کرائی جائے گی — آپ نام اور فون نمبر لکھوا دیں — ہم فون کیے دیتے ہیں۔"

"مجھے یہاں سے لے جانے سے پہلے انھیں فون کریں۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"نہیں جناب — ہم اس بات کے پابند نہیں ہیں — پولیس اسٹیشن چل کر فون کریں گے۔" آئی جی صاحب نے فوراً کہا۔

اور پھر اکرام اسے لے کر کمرۂ امتحان میں پہنچا — جونہی

اسے ایک شکنجے میں کس کر بٹن دبایا گیا — وہ چلا اٹھا،
"نہیں نہیں — مجھے کھول دو — میں شیخ بھوٹانی کا پتا
بتاتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات — لیکن ہم تمہیں کھولیں گے اس وقت
جب تم پتا بتا دو گے۔"

"افسوس! میں پتا بتا نہیں سکتا —" اس نے بے چارگی
کے عالم میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"اس لیے کہ اس جگہ کا کوئی نام پتا نہیں ہے — البتہ
میں آپ کو وہاں تک لے کر جا سکتا ہوں۔"

"چلو یونہی سہی — ہمیں کہاں جانا ہو گا؟"

"وہ — وہ ایک جزیرے پر واقع ہے — اس جزیرے کا
کوئی نام نہیں ہے — لیکن میں راستا جانتا ہوں۔"

"اوہ — لیکن ایک بات نوٹ کر لو — اگر ہمیں دھوکا
دینے کی کوشش کی تو نتیجے کے تم خود ذمے دار ہو گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

اکرام نے آئی جی صاحب کو اس بات کی اطلاع دی — اور
پھر جزیرے کی طرف روانگی کا انتظام کیا گیا — انتظام شاہانہ
انداز میں کیا گیا تھا — کیوں کہ وہاں نہ جانے کیا صورتِ حال

پیش آ سکتی تھی — آخر روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں — اکرام اس کمرے
میں داخل ہوا جس میں چال گنور کو رکھا گیا تھا — اور پھر وہ
زور سے اچھلا۔

○

"یہ لوگ بھی بہت عقل مند نکلے — ہمیں نیچے چھوڑ کر خود اوپر
چڑھ گئے — اب اگر میں چاہوں — تو ان پر قابو پا سکتا
ہوں — اور — اور میں —" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"ہم سمجھ گئے — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن میں ایسا کروں گا نہیں — میں چاہتا ہوں — ہم اسی
حالت میں واپس جھنڈ تک جائیں — شیخ بھوٹانی ہمارے چہروں پر
بے بسی دیکھنا چاہتا تھا — اب ہم دیکھیں گے کہ بے بسی
کہاں نظر آتی ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی — موقع بہت سنہری ہے۔"

"ایسے سنہری موقعے اللہ کی مہربانی سے ہمیں ملتے ہی رہتے
ہیں —" وہ مسکرائے۔

اسی وقت وہ چاروں آتے نظر آئے — ان کے چہرے لٹکے
ہوئے تھے۔

"نہیں جناب — ٹرک میں سونا کہیں بھی نہیں ہے۔"

"بھئی — کوئی تولہ دو تولہ سونا تو ہے نہیں جو تم لوگوں کو نظر نہیں آئے گا — سونے کی ان گنت سلاخیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ خود دیکھ لیں۔"

"ہو سکتا ہے — شاہ فیاض کے کچھ ساتھی اس کی لانچ پر موجود رہے ہوں اور اس کی ہدایت کے مطابق ہم سب کے چلے جانے کے بعد، انھوں نے سونا اس لانچ پر لاد دیا ہو۔"

"لیکن وہ لانچ کہاں ہے؟"

"نزدیک ہی کسی اور جزیرے کے ساحل سے لگی ہو گی۔"

"پھر اب ہم کیا کریں؟"

"ایک نظر میں بھی ٹرک کو دیکھ لوں۔"

"دیکھ لیں۔" محمود نے کہا۔

انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ ٹرک پر چڑھ گئے — اور لگے اس کے ایک ایک حصے کا جائزہ لینے — آخر انھوں نے ان چاروں کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"سونا ٹرک پر ہی موجود ہے —" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے بھی —

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے — ہم نے بہت اچھی طرح تلاشی

لی تھی۔"

"تلاشی لینا بھی ایک فن ہے اور یہ فن ہر کسی کو نہیں آتا — میرا خیال ہے — اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے — ہم اٹھا کر جھنڈ میں پہنچ جانا چاہیے۔"

"اور — سونا؟"

"پہلے شیخ جبوتانی سے تو فارغ ہو لیں — سونا ٹرک میں دکھا دینا میرا کام ہو گا۔"

"چلیے ٹھیک ہے —" منجو نے کہا۔

وہ واپسی کے لیے مڑے — ایسے میں محمود بول اٹھا:

"اب آپ کا اپنے باس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"پکا فراڈ ہے — اس نے ہم سب کو بم سے اڑا دینے کا منصوبہ بنا لیا تھا — اور ہمارے ساتھ آپ بھی اڑ جاتے — کیونکہ واپس آپ کو بھی ہمارے ساتھ لانچ پر رہنا تھا — اس نے ہم سے کہا تھا کہ سب لوگ ریاست جوس میر میں چل کر زندگی کے باقی دن عیش سے گزاریں گے، انسپکٹر اور ان کے بچوں کو لانچ میں سمندر کی نذر کر دیا جائے گا۔"

"ہوں — زندگی اور موت دراصل اللہ کے ہاتھ ہے — یہ بات بے چارے شیخ جبوتانی کو معلوم نہیں۔"

آخر وہ جھنڈ تک پہنچ گئے — فوراً ہی درختوں کی طرف سے

آواز سنائی دی،
"کیا رہا استاد؟"
"لانچ سے بم مل گیا — یہ رہا۔ انسپکٹر جمشید سچے ثابت ہوگئے ہیں — شیخ صاحب نے ہم سب کو بم سے اڑانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا — اور یہ خود مسٹر شاہ فیاض کے ساتھ ریاست جوس میں چلے جاتے — سارا سونا لے کر —" منجو نے جلدی جلدی کہا۔
"باس! اب آپ کیا کہتے ہیں؟"
"ہاں! مجھ سے غلطی ہوئی تھی — میں تم لوگوں سے معافی چاہتا ہوں — بے فکر ہو جاؤ — اس سونے کا پورا پورا حصہ تمھیں ملے گا۔"
"نہیں استاد — اب ہم تم پر اعتبار نہیں کر سکتے — اب اپنا حصہ ہم خود حاصل کریں گے اور تمھارا حصہ اس سونے میں نہیں ہوگا۔"
"بے وقوف نہ بنو — تم اتنا سونا کس طرح فروخت کروگے — پکڑے جاؤ گے — اگر سونا بیچنا میرے بس تک ہوتا تو میں شاہ فیاض صاحب سے کیوں معاہدہ کرتا — کیوں شاہ صاحب — میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"
"بالکل — بالکل —" شاہ فیاض نے فوراً کہا۔
"نہیں استاد — اب تمھیں ہم صرف اور صرف ایک چیز تحفے میں دے سکتے ہیں۔"

"اور — اور وہ کیا چیز ہے۔" شیخ بھوٹانی نے جلدی سے کہا۔
"موت" منجو بولا۔
"کیا!!" وہ چلا اٹھا۔
"ہاں! تحفے میں ہم سے موت وصول کر لو۔"
"ن — نہیں — نہیں" اس نے پکار کر کہا۔
"تم نے دیکھا شیخ بھوٹانی —" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔
"ک — کیا دیکھا؟"
"تم ہمارے چہروں پر بے بسی دیکھنا چاہتے تھے — اور میں نے تم سے کہا تھا کہ میری ایک مسکراہٹ تمھیں شکست دے دے گی — دیکھ لو — اس مسکراہٹ نے تمھیں شکست دے دی — میں نے تو کوئی ہتھیار استعمال کیا — نہ ہاتھ پاؤں — صرف مسکراہٹ سے کام نکال لیا — تھوڑی دیر پہلے جب ہم لانچ پر تھے — ہمیں موقع تھا کہ منجو اور اس کے تینوں ساتھیوں پر قابو پا لیں — لیکن ہم نے ایسا بھی نہیں کیا — ہم تو دراصل تمھیں یہ نظارا دکھانا چاہتے تھے۔"
"کیا مطلب؟" منجو نے چونک کر کہا۔
"جب آپ لوگ ٹرک پر سوار ہو گئے — تو ہم آپ کے ہتھیاروں کی زد میں نہیں رہے تھے۔"
"اوہ ہاں واقعی — ہم سے یہ غلطی ہوئی تھی — پھر آپ نے

موقعے سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟"

"اس لیے — کہ میں نے جو کہا تھا — وہ اس جھنڈ میں دا
کر ثابت کرنا چاہتا تھا — اور بات اب ثابت ہو چکی ہے
لہٰذا تم لوگ شیخ سبزانی کو موت کا تحفہ دے دو۔"

"بالکل — یہ اس قابل ہے — اور اس کا دوست شاہ فیا

"نہیں نہیں — میرا کیا قصور ہے" وہ چلایا۔

"تم بھی اس سازش میں برابر کے شریک ہو — تم جانتے
لانچ میں بم رکھ دیا جائے گا۔"

"م — میں — میں" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"انسپکٹر جمشید — تم اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک طرف ہو جاؤ

"ایک اور مزے دار ترکیب استاد" ایک درخت پر سے
سنائی دی۔

"کیا مطلب؟"

"کیوں نہ ان لوگوں کا آپس میں مقابلہ کرایا جائے — لطف
رہے گا؟"

"کیوں انسپکٹر صاحب — کیا خیال ہے — آپ ان سے مقا
کریں گے؟"

"کریں گے — ہمارا کیا جاتا ہے۔" وہ بولے۔

"تو ٹھیک ہے — انھیں ماریں — اتنا ماریں کہ یہ مر جائیں

خیال ہے — یہ موت شاہی پستول کی نسبت زیادہ ہولناک
گی۔"

"بالکل ٹھیک استاد" ساتھی ایک ساتھ چلائے۔

"تم نے سنا شیخ صاحب — تمھارے ساتھیوں نے کیا تجویز
کی ہے — آؤ — ہو جائیں دو دو ہاتھ۔"

"کیا فائدہ" — اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"کیوں — کیا ہوا" وہ مسکرائے۔

"میں جیت گیا، تب بھی یہ لوگ مجھے موت کے گھاٹ
اتار دیں گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں اعلان کرتا ہوں — اگر تم جیت گئے
تو شاہ فیاض کے ساتھ یہاں سے فرار ہونے کا موقع دے دیا
جائے گا — لیکن تم سونے کا ٹرک نہیں لے جا سکو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ہمیں یہ بات منظور نہیں — ہم نے اس شخص کے
ساتھ ہمیشہ جان کی بازی لگائی — اور اس نے ہمیں موت کے
گھاٹ اتارنے کا پروگرام بنا لیا — ہم بھی اسے جان سے مار کر
دم لیں گے — یہ آپ سے جیتے یا ہارے — موت کا پیالہ ہم
اسے پلا کر رہیں گے۔"

"لیکن اس طرح یہ دلیری سے نہیں لڑ سکے گا — موت کا خوف

اسے رونے کب دے گا۔ لیکن اگر یہ پیش کش کر دی جا
جیتنے کی صورت میں یہ جا سکتے ہیں تو تفریح جاری رہی
گے۔ اور تم لوگوں کو ایک اچھا مقابلہ دیکھنے کو ملے گا۔"

"اچھا خیر۔ یونہی سہی۔ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے
ایک خوف ناک موت سے بچا لیا ہے۔ ہم آپ کی بات
مانیں گے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ بچانے والے ہم کون ہوتے ہیں۔
والی ذات تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس
نہ ہوتا تو میرے ذہن میں یہ خیال ہرگز نہ آتا۔ اس
یہ جان لینا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ اگر میری بات ماننا ہی
تو پھر اس سے بہتر بات مان لو۔"

"بہتر بات۔ کیا مطلب؟"

"یہ میں اس مقابلے کے بعد بتاؤں گا۔ آیئے مسٹر شیخ
شیخ بھوٹانی اور شاہ فیاض ان کے سامنے آ گئے۔

"شاہ صاحب۔ آپ بھی لڑیں گے۔" انسپکٹر جمشید کے
میں حیرت تھی۔

"ساری زندگی یہی تو کام کیا ہے۔ والد صاحب نے بچپن
کے تمام فنون سکھائے ہیں۔" اس نے فخر کے عالم میں کہا۔
"اور میں نے اپنی مجرمانہ زندگی میں ان گنت لڑائیاں

ہر بار کامیاب رہا ہوں۔ لہٰذا تم لوگوں کو ہم ایک دو
کے اندر چت کر دیں گے اور اپنا راستا لیں گے۔" شیخ
بولا۔

"وہاں یہ مقابلہ میری ریاست میں ہوتا۔ ریاست کے لوگ
دیکھتے۔" شاہ فیاض بولا۔

"تو چلیے۔ وہاں چلے چلتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"نہیں جناب۔ یہ مقابلہ یہیں ہو گا۔" منجو کی آواز
آئی۔

"ٹھیک بات ہے۔ فکر نہ کرو۔"

پھر شیخ بھوٹانی اچھلا اور انسپکٹر جمشید پر آ رہا۔ وہ
یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اس قدر پھرتیلا بھی ہو
گا۔ ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا کہ صرف پھرتیلا نہیں،
طاقتور بھی ہے۔ وہ اب پوری طرح اس کے نیچے دب
گئے۔ اور محسوس کر رہے تھے۔ ایک چٹان ان پر آ
گری۔ ایسے میں شاہ فیاض نے ہنس کر کہا:
"ہار گئے۔ تم مجھ سے دو دو ہاتھ کر لو۔ شیخ بھوٹانی اکیلا
ہی والد کے لیے کافی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ آیئے۔"

تینوں آگے بڑھے — لیکن شاہ فیاض نے ایک عجیب
اس نے ایک اونچی چھلانگ لگائی اور ان کے سروں پ
ہوا ان کی کمر کی طرف گرا، گرتے ہی پلٹا اور
لاتیں ان کی کمر پر لگیں —
تینوں دھڑام دھڑام گرے — انھیں زمین اور آ
نظر آئے —

کوڑوں کی بسم اللہ

کے منہ سے خون کی ایک لکیر بہ کر بس تھوڑی تک آئی
ان کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں کھلی ہوئی تھیں — دونوں
پر تھے — جسم اکڑ چکا تھا — صاف ظاہر ہے — اس نے
کر لی تھی۔

یہ کیا ہوا بھئی —" پروفیسر داؤد گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔
اس نے سوچا — ہم لوگ اسے موت کی سزا دلائے بغیر تو ہیں
— غداری کی سزا موت — تو کیوں نہ یہ سزا خود ہی اپنے
دے لے — چنانچہ اس نے زہر کھا لیا — ایسے موقعوں کے
خفیہ جگہ اس نے زہر رکھا ہوا ہو گا — چٹکی بھر سفوف
بھی چھپایا جا سکتا ہے — اور اس طرح یہ اپنے وطن
ذات بھی کر گیا۔"

لیکن اکرام! اب ہم اس جزیرے کا پتا کس طرح لگا
گے۔"

"ہم اپنے ملک کی سمندری حدود میں واقع تمام جزیروں
ماریں گے۔" اکرام بولا۔

"اور یہ ایک بہت لمبا کام ہو گا۔" خان رحمان نے
کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔"

"وہ جزیرہ ضرور بے آباد ہو گا۔ کسی دور دراز جگہ
اس کی تلاش آسان ثابت نہیں ہو گی۔" خان رحمان نے

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن آپ یہ بتائیں۔
طریقہ ہو سکتا ہے۔"

"جے کے ہوٹل۔" خان رحمان بولے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" اکرام چونکا۔

"ایک ہندو کا ہوٹل۔ جو ہمارے ملک کے خلاف کام
رہا ہے۔ اس کی موت کا ابھی تک کسی کو پتا نہیں۔
بدل کر وہاں جائیں گے۔ اور ... کی کوشش کریں
جمال کنور کی گرفتاری کے بعد ہوٹل پر کیا کیا جاتا ہے۔
جمال کنور کی جگہ سنبھالتا ہے۔"

"ترکیب مزے دار ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔
اور بولا۔

"چلیے یونہی سہی۔"

انھوں نے اکرام کی مدد سے میک اپ کیا اور ہوٹل

گئے۔ کاؤنٹر کلرک کی نظریں ان پر جم گئیں:

جی فرمایئے۔"

"ہمیں ایک ڈبل کمرہ چاہیے۔ ویسے جمال کنور صاحب سے بھی
کرا دیں۔ ہماری ان سے علیک سلیک ہے۔"

"وہ اس وقت ہوٹل میں نہیں ہیں۔ جونہی آئے، ملاقات
دی جائے گی۔ آپ کے لیے دوسری منزل پر ایک اچھا
ہے۔ اس کا نمبر ساٹھ ہے۔"

انھوں نے خانہ پری کی اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد
تبدیل کر کے ہال میں آ بیٹھے۔ بظاہر وہ ایک دوسرے سے
کرنے میں مصروف تھے اور یوں لگتا تھا جیسے پوری دنیا میں
رہا ہے، اس کی انھیں ذرا بھی پروا نہ ہو۔ لیکن وہ خفیہ
سے پورے ہوٹل کا جائزہ لے رہے تھے۔ انھیں بیٹھے بہت
گئی، لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی:

"شاید ہمیں یہاں بھی مایوسی ہو گی۔ آؤ اوپر چلیں۔" پروفیسر
نے جل کر کہا۔

"جاسوسی کاموں میں یہی تو مصیبت ہے۔ صبر آزما انتظار
ہے۔" اکرام بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم صبر سے کام لیں گے۔ اور جمشید بھی
رہیں گے۔" خان رحمان نے پرجوش انداز میں کہا۔

"میں نے اب تک ایک بات نوٹ کی ہے۔" اکرام

آواز میں کہا۔

اس دوران بیرا کھانے پینے کی چیزوں کی ٹرالی لے آیا۔

وہ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے جانے کے بعد خان

بے تابانہ انداز میں بولے:

"کیا بات نوٹ کی ہے اکرام؟"

"ہوٹل کا سارا عملہ حد درجے چوکنا نظر آتا ہے۔

اچانک کسی خطرے کا خوف ہو۔ اور وہ خوف ایک

سکتا ہے؟"

"وہ کیا۔"

"ہوٹل کی تلاشی کا خوف؟"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"نہیں۔ ہوٹل کی تلاشی لینا ہو گی۔ تلاشی کے وارنٹ

کرنا ہوں گے؟"

"تو پھر جلدی کرو نا بھئی۔"

"میں باہر جا کر آئی جی صاحب کو فون کرتا ہوں۔

سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلے گا۔ ہوٹل کو چھے

پہ گھیرے میں لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تلا

ہو گی۔ لیکن ہم یہاں اسی طرح موجود رہیں گے اور

کا جائزہ لیتے رہیں گے۔"

"بات اچھی ترکیب رہے گی۔" خان رحمان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"بھئی کہیں اپنے آپ کو انسپکٹر جمشید نہ سمجھنا شروع کر

پروفیسر داؤد مسکرائے۔

اکرام اٹھ کر باہر نکل گیا۔ انھوں نے اس کی طرف آنکھ

نہ دیکھا۔ تین منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔

"انتظام ہو گیا۔ پندرہ منٹ بعد ہوٹل گھیرے میں

جا چکا ہو گا۔ اور کئی ذمے دار آفیسر ہوٹل کی

لے رہے ہوں گے۔" اس نے بتایا۔

"چلو ٹھیک ہے۔"

ابھی دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ انھوں نے ہوٹل میں

عجیب قسم کی بے چینی محسوس کی۔ بیروں نے یک دم اپنا

چھوڑ دیا۔ اور ہوٹل کے اندر کا رخ کیا۔ ہوٹل میں موجود

مہمان ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لیکن صرف پانچ منٹ

تمام بیرے اپنی اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا تلاشی کا۔" اکرام بڑبڑایا۔

"گویا کسی نے مخبری کر دی ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! پولیس میں کچھ لوگ ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

ہے۔ مذہب کے لحاظ سے وہ ہندو ہوں۔"

"خیر ہم ایسا طریقہ اختیار کریں گے کہ ان مجرموں کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکے گی۔" اکرام بولا۔

"ان کی تلاشی لمبی ہوتی جا رہی ہے اکرام۔" خان رحمان نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ آپ خود سوچیں!"

"میں تو کہتا ہوں۔ اس پورے ہوٹل کو ہلا کر رکھ دیا جائے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ہو سکتا ہے۔ اس طرح ہم کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔"

"خیر بھئی۔ تمہارا تجربہ اس سلسلے میں زیادہ ہے۔" انھوں نے کندھے اچکا دیے۔

"اب میں تیاری کے سلسلے میں باہر جا رہا ہوں۔ رات میں کسی وقت آ جاؤں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اور اس دوران ہم کیا کریں؟"

"اپنے کمرے میں آرام۔ آئیے میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آؤں۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ ہم خود چلے جائیں گے۔"

"نہیں، چند باتیں کمرے میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ رخصت سے پہلے۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

وہ اوپر اپنے کمرے میں آئے۔ جونہی دروازہ کھلا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ کمرے میں چار خوفناک آدمی موجود تھے۔ ان کے چہروں پر شیطنیت کا راج تھا۔ آنکھوں میں خون تھی۔ اور ہاتھوں میں بڑے بڑے پستول تھے۔

"کیا چاہتے ہو دوستو!" اکرام نے پرسکون آواز میں کہا اور داخل ہو گیا۔

خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ ان کے چہروں پر بھی خوف کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ اس وقت کوئی بہت اہم کام انجام دینے والے ہیں۔

"تم لوگوں کی موت!"

"ہماری موت چاہنے والے تو نہ جانے کتنے ہیں۔ کوئی نئی بات کرو بھائی۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"اس سے نئی بات تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔"

"خیر۔ کم از کم اتنا تو بتا دو کہ تم ہماری موت سے [illegible] کرنے کے اس قدر کیوں خواہش مند ہو؟"

"تم نے ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد سے عجیب و غریب [illegible] حرکات شروع کر رکھی ہیں۔ ہماری تم پر پوری [illegible]۔ تم شاید نہیں جانتے۔ جمال کنور صاحب نے

ہوٹل کے لیے بہترین جاسوسوں کا ایک گروپ ملازم رکھا ہوا
بہترین جاسوسوں کا یہ گروپ ہوٹل کی حفاظت کرتا ہے۔
لوگوں کی نقصان دہ حرکات سے بچاتا ہے۔ اور بھی
کے کام کرتا ہے۔ ہر وقت چوکنا رہتا ہے۔"

"بہت خوب! ہم نے کیا غلط حرکات کی ہیں۔
معلوم تو ہو۔"

"اندر داخل ہونے کے بعد تم لوگوں نے پہلا کام
کیا کہ ایک کمرہ حاصل کیا، کمرہ لینے کے بعد تم لوگ
اکر بیٹھ گئے۔ لیکن پھر یہ صاحب اٹھے کہ ہوٹل سے با
گئے۔ باہر سے انھوں نے کسی کو فون کیا۔ ہمارے
نے فوراً ہمیں اطلاع دی۔ کہ ان صاحب نے پولیس کو
کیا ہے۔ اور یہ کہ اب ہوٹل پر چھاپہ مارا جائے گا۔
چنانچہ ہم لوگوں کو فوراً حرکت میں آنا پڑا۔ ایک کام سے
ہو کر ہم نے سوچا۔ اب تم لوگوں سے بھی دو دو باتیں کر
جائیں۔ چنانچہ یہاں آ گئے۔ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے

"یہ عدالت کا کمرہ نہیں ہے۔" اکرام غرایا۔

"دوبارہ کس کس کو فون کیا ہے؟"

یوں کو غائب ہوتے دیکھ کر اور پھر اپنی جگہوں پر
آتے دیکھ کر ہم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب تلاشی کا

دہ نہیں۔ لہذا فون کرنا پڑا۔"

"اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے۔" اس نے بلند اکرام کی طرف
کر کہا۔

"اس کے علاوہ کیا بات ہو سکتی ہے۔" اکرام نے کندھے اچکائے۔

"ٹھیک ہے۔ ہمارے آگے آگے چلو۔ پستول ہماری جیبوں
رہیں گے۔ ان کی نالوں کے رخ بدستور تمھاری طرف رہیں
" ان سے کہا گیا۔

وہ ان کے آگے چلتے ہوئے کمرے سے نکل آئے۔
کوئی نہیں دے رہا تھا کہ کیا کریں۔

"ایک بات تم لوگ نوٹ کر لو۔ اگر تم نے نئے سرے
چھاپے کا پروگرام بنایا ہے۔ تو اس کا علم بھی ہمیں
جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم نے یہ بات نوٹ کر لی ہے۔ تم لوگ
کے اندیشے میں دبلے نہ ہو۔" اکرام نے زہریلے انداز
مسکرا کر کہا۔

"لیکن تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟" خان رحمان جھنجلا
اٹھے۔

تم لوگوں کا ہوٹل سے باہر جانا اب ہمارے لیے نقصان
سکتا ہے۔"

"تم لوگ آخر یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" مسکرا کر کہا گیا۔

وہ ان کے آگے چلتے رہے ـــ ان کے دائیں بائیں لوگ گزر رہے تھے ـــ لیکن ان میں ایک بھی کوئی بات بھانپ سکا ـــ سب اپنی اپنی دھن میں مست تھے۔

پیچ دار راستوں سے چلتے ہوئے آخر وہ ایک [illegible] پہنچے ـــ اس کمرے کی ایک الماری میں ایک خفیہ دروازہ تھا ـــ اسے کھولا گیا ـــ کھولنے کا طریقہ وہ نہیں دیکھ [illegible]

"چلو ـــ آگے بڑھو۔"

وہ اس دروازے میں داخل ہو گئے ـــ سیڑھیاں نیچے [illegible] رہی تھیں ـــ نیچے ایک بہت بڑا [illegible] خانہ نظر آیا ـــ ان [illegible] کہ ان کی عقلیں دنگ رہ گئیں ـــ شاید پورے ہوٹل جتنا [illegible] اور چوڑا رہا ہو گا ـــ تہ خانے میں لکڑی کی بڑی پیٹیاں اوپر تلے رکھی تھیں ـــ اس طرح پیٹیوں کی [illegible] کی قطاریں لگی تھیں ـــ ان کے درمیان گزرنے کے لیے [illegible] تھیں ـــ اتنا بڑا تہ خانہ اور اس قدر بڑی تعداد میں [illegible] زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے۔

"اُف مالک ـــ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" اکرام [illegible] گیا ـــ خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی تکتے کے عالم [illegible]

[illegible] ان کے منہ سے تو کوئی لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔

"تم لوگوں کی موت کا سامان۔"

"تین آدمیوں کے لیے اس قدر عظیم سامان۔" آخر خان رحمان بول اٹھے۔

"نہیں ـــ ملک کے اس پورے حصے کے لیے۔" ایک نے [illegible] کے انداز میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے ـــ شیخ عجوانی کا واقعی جمال کنور سے تعلق ہے۔"

"ہاں بالکل ـــ شیخ عجوانی تو جمال کنور کے باس ہیں ـــ جمال کنور بے چارہ تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔"

"اوہو ـــ اچھا۔" یہ بات سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"ہم شیخ عجوانی سے کہاں مل سکتے ہیں۔" خان رحمان بول پڑے۔

"اس بات کا علم ہمارے فرشتوں کو نہیں۔"

"اور جمال کنور کو؟"

"ہاں! انھیں علم ہو سکتا ہے ـــ کیونکہ وہ ذمے دار آدمی ہیں۔"

"خیر ـــ ہم ان سے پوچھ لیں گے۔"

"اس خیال میں نہ رہیے گا کہ آپ ان سے کچھ اگلوا لیں [illegible] ـــ اوّل تو انھیں حوالات میں رکھنا ہی بہت مشکل ثابت

ہو گا اور آپ لوگ بہت جلد انھیں رہا کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"اب آپ لوگ تو مشکل ہی دیکھ سکیں گے جناب۔ آنے کے بعد کون واپس گیا ہے۔"

"ان پیٹیوں میں کیا ہے؟"

"جدید ترین اسلحہ۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے نکلا۔ رنگ اڑتے نظر آئے۔

"ہاں! اسلحہ۔ ایک دن یہ اسلحہ اس ملک کے خلاف دھڑا دھڑ استعمال ہو گا۔ اس دن کے لیے بہت پہلے سے تیاریاں شروع کی جا چکی ہیں۔ اس ملک کو ہم پھر سے غلام بنا کر رہیں گے۔"

"یا اللہ رحم۔ اتنا اسلحہ۔ یہ تو ایک پوری فوج کو کافی ہو جائے۔ لیکن اتنا اسلحہ یہاں جمع کس طرح کر لیا گیا؟"

"ایک ایک پیٹی کر کے۔ اور اس ہوٹل کے لیے بکریوں کے ٹرک آتے ہی رہتے ہیں۔ بکریوں کے درمیان ایک پیٹی بہت آسانی سے آ جاتی ہے۔ بکریوں کے ٹرک کو پولیس والے چیک بھی نہیں کرتے۔ اب کون ان کے پیشاب اور مینگنیوں کی بو کو برداشت کرے۔ ناک پر رومال رکھتے ہو

کو جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اور اس طرح پیٹی ہوٹل میں پہنچ جاتی ہے۔"

"خان: تو پہلے ہی خفیہ ہے۔ پھر میرے پانچ منٹ کے لیے جناب کیوں ہوئے تھے۔ انھیں کیا کام کرنا تھا۔" خان رحمان بولے۔

"اسلحہ کے علاوہ بھی کچھ قابل اعتراض چیزیں ہوٹل میں موجود ہیں۔ مثلاً ہم اس ملک کے لوگوں کو جوئے کی عادت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ شروع میں انھیں خوب جتواتے ہیں۔ اتنا کہ وہ جیت والا بن جاتا ہے۔ اور خیال کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑا دنیا میں کوئی نہیں۔ پھر اس کی ہار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس طرح ایک تو وہ کنگال ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر قرض کا بوجھ بھی لد جاتا ہے۔ اس طرح وہ ہمارے احسان کے نیچے بھی دب جاتا ہے۔ پھر ہم جو چاہیں۔ اس سے کام لے لیتے ہیں۔"

"اور۔ اور تم لوگ کیا کیا کرتے ہو؟"

"ہم نے ہوٹل میں کئی وی سی آر روم کھولے ہوئے ہیں۔ ان میں ایسی عریاں فلم چل رہی ہوتی ہے۔ آپ کے ملک کے لوگ ان فلموں کو خوب ذوق شوق سے دیکھتے ہیں۔ اور شاید سوچتے تک نہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کو ایسے کیا اجازت ہے۔ اس طرح ہم انھیں ان کے دین سے

دور لے جا رہے ہیں — کئی اور بھی اس قسم کے کام ہیں
اس لیے ہیرے پانچ منٹ کے لیے غائب ہونے تھے
ان ہیروں کو اسلحے کے بارے میں تو معلوم بھی نہیں
اسلحے کے بارے میں جب ضرورت ہو گی — انھیں بتا
جائے گا۔"

"تب تو آپ لوگوں کے پروگرام بہت خطرناک ہیں —
ہوٹل پر تو فوری طور پر قبضہ ہو جانا چاہیے۔" اکرام نے
کر کہا۔

"افسوس! اب تم لوگ اس قابل نہیں رہے — اب
بیک اپ کی ضرورت بھی نہیں رہی — کمرے میں داخل ہو
کے فوراً بعد ہم نے تم لوگوں کو پہچان لیا تھا — ہاں ا
ہم نہیں پہچان سکے تھے۔"

"افسوس! ہم سے بہت بھاری غلطی ہوئی — ہمیں ہو
خفیہ چھاپہ مارنا چاہیے تھا۔"

"اس کی بھی اطلاع ہمیں ہو جاتی — خفیہ پولیس میں
ہمارے آدمی موجود ہیں۔"

"نہیں، خفیہ چھاپے کی بات کر رہا ہوں — اس کا
لوگوں کو پتہ چل سکتا — لیکن افسوس —" اکرام سرد آہ
رہ گیا۔

"ان لوگوں کو باندھ دو — دیکھو — یہ خود کو کھول نہ سکیں —
ان کے حکم کے مطابق ہی ان کے ساتھ سلوک کیا جائے گا —
اس سے رابطہ اپنے وقت پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔"
انھیں باندھا جانے لگا — پھر وہ لوگ تہ خانے سے چلے گئے۔
ان کے منہ نہیں باندھے گئے تھے — اس لیے — باتیں کر سکتے تھے۔
"اس وقت ہمارے ساتھ محمود یا انسپکٹر جمشید ہوتے تو ہمیں
پروا بھی نہ ہوتی — اب ہم رسیاں کس طرح کھولیں۔"
"ہمیں کوشش تو کرنی ہی چاہیے — اور یہ کوشش ہم دانتوں
کے ذریعے کر سکتے ہیں۔"
انھوں نے دانتوں کے ذریعے رسیاں کھولنے کی کوشش شروع
کر دی — بہت دیر تک وہ اس کوشش میں مصروف رہے — لیکن
کچھ نہ بن سکا۔

"ویسے اکرام ہمیں ایک اطمینان تو ہے ہی — یہ کہ —" پروفیسر
داؤد کہتے جا رہے تھے کہ اکرام بول اٹھا:
"نہیں پروفیسر صاحب — آپ یہ بات منہ سے نہ نکالیے گا —
ورنہ —"

"اوہ ہاں — ہم — مجھ سے بہت خوفناک غلطی ہونے لگی تھی۔"
وہ چونک اٹھے۔
"چلیے شکر کریں — بال بال بچے —" خان رحمان مسکرائے

اچانک تہ خانے کا دروازہ کھلا اور ایک دیو قامت آدمی
اترتا نظر آیا، اس کے ساتھ وہی چار آدمی تھے — جنھوں نے
انھیں تہ خانے میں پہنچایا تھا۔

"ہاں دوستو — وہ کیا بات ہے — جو تم کہنے جا رہے تھے؟"
دیو قامت آدمی کی آواز بھی بہت گرج دار تھی۔

"بک — کچھ نہیں بھائی — ہم تو آپس کی بات کر رہے تھے۔"
پروفیسر داؤد گڑبڑا گئے۔

"نہیں — اب تو بات بتا کر ہی جان چھوٹے گی۔" وہ بولا۔

"یہی تو مصیبت ہے۔"

"کون سی مصیبت — کہاں ہے مصیبت —" دیو قامت آدمی
نے چونک کر پوچھا۔

"جانے دو بھائی — کیوں ہم غریبوں سے مذاق کرتے ہیں؟"
خان رحمان بولے۔

"غریب — کیوں رستم — یہ تم کن غریبوں کو پکڑ لائے ہو؟"
دیو قامت آدمی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"استاد — یہ غریب وریب نہیں — دوسرے معنوں میں بات کر
رہے ہیں۔"

"یہ دوسرے اور تیسرے معنے کہاں سے ٹپک پڑے — رستم
انھیں —" دیو قامت آدمی نے جھلا کر کہا۔

"بہت بہتر — کچھ دیر میں — مدد کر دیتے ہیں۔" رستم بولا۔

"بہت خوب — یہ ہوئی بات — ہاں تم کیا کہہ رہے تھے — یہ
لوگ نہیں ہیں۔"

"جی ہاں — یہ تو بہت بڑے اور دولت مند آدمی ہیں۔"

"تب پھر ان کی دولت یہاں موجود ہونی چاہیے — ان کے
بعد وہ ان کے بچوں کی بجائے ہمارے کام آنی چاہیے۔"

"بہت بہتر — اب یہ کام بھی کیا جائے گا —"

"فی الحال تو پروگرام ہے — ان سے وہ بات معلوم کرنا
— ہاں تو اے بوڑھے میاں — تم کیا کہنے لگے تھے؟"

"ہم — میں — یعنی کہ میں۔"

"تم تینوں میں بوڑھے میاں اور کون ہو سکتا ہے۔" رستم
نے منہ بنایا۔

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا —" خان رحمان
نے انور کا جملہ دہرایا۔

"دیکھا استاد — کس طرح بڑھ چڑھ کر باتیں بگھار رہے ہیں؟"

"کم از کم بے چاری باتوں کو تو نہ بگھارو — اور بہت
سی چیزیں ہیں — جن کو بگھارا جا سکتا ہے؟" استاد نے انھیں
خاموش کرنے کے انداز میں کہا۔

"استاد — بے کار باتوں میں کہیں ہم کام کی بات بھول

تو نہیں دبے۔"

"اوہ نہیں — بھول کہاں رہے ہیں — وہ کام کی با
تو ہم ان سے اگلوا کر رہیں گے — چلو بھئی بتاؤ، وہ بات
جو تم کہنے جا رہے تھے۔"

"آپ لوگوں کو ضرور وہم ہو گیا ہے۔" خان رحمان
پریشان ہو کر کہا۔

"کیا مطلب — وہم کیسا؟"

"اب ہمیں کیا پتا کہ آپ کو کس قسم کا وہم ہو گیا ہے۔"
پروفیسر داؤد نے کندھے اچکائے۔

"ہم یہاں وہموں کی قسمیں پڑھنے یا پڑھانے نہیں آئے
تم لوگ اندر بیٹھے باتیں کر رہے تھے — ایک بات یہ
نسیان کہنے لگے تھے کہ تم نے انھیں خاموش ہونے کے
کہا اور انھوں نے یہ بھی الفاظ کہے کہ واقعی مجھ سے غل
ہو چلی تھی — یہ بات کیا تھی — یہ بتا دو۔"

"بھائی ہمیں پریشان نہ کرو — ہم پہلے ہی کافی مقد
میں پریشان ہیں۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنایا۔

"کافی مقدار میں پریشان۔" استاد کے منہ سے نکل

"ہو سکتا ہے — آپ کافی مقدار کی بجائے کافی تعداد
پریشان ہوتے ہیں — اپنے اپنے رسم و رواج اور طریقے کی

خان رحمان بولے۔

"لوگ اس طرح نہیں مانیں گے — انھیں الٹا لٹکا دو —
ان پر کوڑے برساؤ — جب تک یہ وہ بات نہیں اگل
— اس وقت تک کوڑے نہیں رکیں گے۔"

"بہت بہتر استاد۔"

ان کے پیروں میں رسیاں باندھی جانے لگیں، پھر رسیوں
سرے سرے چھت میں لگے لوہے کے بڑے بڑے
کے ساتھ باندھ دیے گئے — اب وہ الٹے لٹک
تھے۔

"بھئی خان رحمان یہ کیا ہو رہا ہے۔" پروفیسر داؤد
ہوئی آواز میں بولے۔

"امتحان۔" خان رحمان بولے۔

شش — شاید تم ٹھیک کہتے ہو — اکرام کیا خیال ہے۔"
بولے۔

رہنے کے لیے خاموش رہنا ضروری ہے۔" اکرام

خاموش رہنے کے لیے کوڑے کھانا بھی تو ضروری
فیسر بولے۔

"زبان تو ویسے بھی جائے گی — زبان کھولنے کی صورت

یں شاید اور بھی جلد آ جائے گی۔ تو کیوں نہ ہم صبر
مظاہرہ کریں۔"

"اچھی بات ہے اکرام۔ تم بھی کیا یاد کرو گے"
صاحب بولے۔

"جیسے آپ فرمائیں گے، یاد کر لوں گا۔" اس نے
صورت بنائی۔

"شاید ہم یں واقعی محمود، فاروق اور فرزانہ کی روح
حلول کر گئی ہیں۔ بالکل ان کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔"
رحمان بولے۔

"ارے باپ رے۔" پروفیسر نے گھبرا کر کہا۔

"استاد۔ یہ لوگ ایکٹنگ کر رہے ہیں۔" رستم نے کہا۔

"ہاں ہاں! میں سمجھ رہا ہوں۔ اب ان کی زبان بس
ہی والی ہے۔ تم کوڑوں کی بسم اللہ کرو۔" استاد بولا۔

"لیجیے۔ ان کم بختوں کو بسم اللہ یاد بھی آئی تو کہاں"
پروفیسر داؤد نے جل کر کہا۔

کوڑوں کی بسم اللہ شروع ہوئی۔ خان رحمان اور
اکرام تو ہونٹ بھینچے برداشت کرتے رہے۔ لیکن پروفیسر
داؤد کے لیے یہ کام بہت مشکل تھا۔ انھوں نے بے
ہو کر کہا:

بھی۔ یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

"ہمت نہ ہاریے پروفیسر صاحب۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن بھئی۔ میرے پاس ہارنے کے لیے اس وقت اور
ہی تو نہیں۔" وہ گھبرا کر بولے۔

نہیں۔ اگر آپ نے کچھ بتا دیا تو یہ لوگ ہمیں فوراً جان
سے مار ڈالیں گے۔"

"تب پھر اس کی ایک ہی ترکیب ہے۔ اور وہ یہ کہ میں
بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ بے ہوش ہونے کے لیے میرے
پاس ایک چیز موجود ہے۔"

کر انھوں نے اپنی انگوٹھی کا نگ منہ میں رکھ کر
اچانک ان کا جسم بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ شاید یہ
انھوں نے ایسے ہی موقعے کے لیے رکھی تھی۔

ادھر اکرام اور خان رحمان کے جسموں پر شڑاپ شڑاپ کوڑے
برس رہے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ
کر دشمنوں کی ناکامی کا اعلان کر رہی تھی۔

اچانک تہ خانے کا دروازہ کھلا۔

ایک چیخ

انھیں خیال تک نہیں تھا کہ شیخ چھوٹائی اور شاہ … اس حد تک خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں — دراصل … تو سمجھے بیٹھے تھے کہ ابتدائی ایک دو ہاتھوں میں ہی وہ … دونوں کو ڈھیر کر دیں گے — انسپکٹر جمشید نے اپنے … کو تیزی سے گردش دی — اور پھر ان کی ٹانگیں … میں آئیں — ٹانگیں — اوپر اٹھ کر شیخ چھوٹائی کے سر … طرف بڑھتی چلی گئیں — اچانک دونوں پیر اس کے … کے دونوں طرف جم گئے۔

"یہ — یہ کیا —" شیخ چھوٹائی بولا۔

"جوابی کارروائی —" انھوں نے کہا اور پیروں کی … قوت سے اسے جھٹکا مارا —

وہ بہت اونچا اچھلا اور ایک درخت سے ٹکرایا — اس نے بھی انسپکٹر جمشید کی طاقت کا غلط اندازہ لگ…

…ت سے ٹکراتے ہی وہ بالکل ساکت ہو گیا — اس نے …ت بھی نہ کی۔

"بس بھئی — اس قدر جلد آرام کرنے لگے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ ان کی آواز سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ اچھل کر … ہو گئے — انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا … بولے:

"میں نے تم سے نہیں — اس سے کہا تھا۔"

"لیکن آپ کی آواز ہمارے لیے جادو کا کام کر گئی۔" محمود … مسکرا کر جواب دیا۔

اب وہ تیزی سے اپنے خاص انداز سے شاہ فیاض کی طرف … — یعنی تین اطراف سے — محمود نے سامنے سے اس کے … میں ایک عدد ٹکر رسید کی — اس نے بچنے کے لیے … ، محمود تو اپنی سیدھ میں آگے نکل گیا — لیکن فرزانہ … کی ٹکر اس کی کمر پر لگی اور وہ اوندھے منہ گرا — … نے فوراً اس کی کمر پر چھلانگ لگائی اور اچھلنے … لگا۔

"زیادہ بائی جمپ کا مظاہرہ نہ کرو — کہیں بے چارے … نہ ٹوٹ جائیں —" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی اور … گئے۔

بسٹر منجو — تمہارے مجرم اب بے بس ہیں اور تمہارے
پڑے ہیں — اب کیا پروگرام ہے۔"
"یہی میں سوچ رہا ہوں۔"
"تو پھر میرا مشورہ مان لو — خود کو قانون کے حوالے
تم لوگوں کو بہت سستا چھوڑ دیا جائے گا اور انھیں
پکڑ میں لے لیا جائے گا — اصل مجرم یہ ہیں — تم
نہیں ہو۔"
"لیکن اس سونے کا کیا ہوگا" منجو نے گھبرائی ہوئی
میں کہا۔
"سونا — سونا تو پہلے ہی حکومت کا ہے" انسپکٹر جمشید
"میرا مطلب ہے — ہم اس قدر بڑی مقدار میں سونا
کس طرح ہاتھ دھو لیں۔"
"یہاں چاروں طرف پانی موجود ہے۔" فاروق بولا۔
"کیا مطلب؟"
"جی — وہ — میرا مطلب ہے — ہاتھ دھونے کے
"اچھا بھائی — اب چپ رہو — تم اپنی ٹانگ اڑا
ہو" محمود نے جل کر کہا۔
"اب میرا مشورہ سن لیں انسپکٹر جمشید — یہ دونوں
کے حوالے — ہم سونے کے ٹرک سمیت لانچ میں بیٹھ

رہے ہیں — ہمارے راستے میں آنے کی کوشش نہ کیجیے گا — آپ نے ہم
احسان کیا ہے — ہم آپ پر فائر کرنا پسند نہیں کریں گے۔"
"لیکن — میرا فرض مجھے ہاتھ پیر روکنے کی اجازت نہیں دے
گا — ہاں تم لوگوں کو اپنی حکومت کا سونا لے جانے کی اجازت
نہیں دوں گا۔"
"اگر یہ بات ہے تو پھر میرا سوال ہے — آپ کیا کریں گے۔
طاقت اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔"
"طاقت صرف میرے اللہ کی ہے۔"
"ہم چاہیں تو آن کی آن میں آپ لوگوں کا کام تمام کر دیں۔"
"تب پھر تمہیں یہ کوششیں کر ہی لینی چاہییے — تاکہ تمہارا راستہ
صاف ہو جائے اور ہمیں اس بات کی حسرت نہ رہ جائے کہ کوئی
ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارا سونا لے گیا۔"
"آپ نے ہم سب کی جان بچائی ہے — بس یہ خیال رکاوٹ
بن رہا ہے۔"
"اس خیال کو دور پھینک دو — سمندر کی نذر کر دو — ورنہ
کچھ نہیں ہو پائے گا۔"
"نہیں! ہم فائر بھی نہیں کریں گے اور سونا بھی لے
جائیں گے۔"
"وہ کیسے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ ہم نہیں بتا سکتے۔"

"اچھا تو پھر ایک دوسری بات سوچ لو — اس قدر
مقدار میں سونے کا تم کیا کرو گے — اس کو کس طرح خرچ
گے — آخر پھنس جاؤ گے — تو کیوں نہ ہمارے ہاتھوں بیچ

"یہ آپ کا خیال ہے — ہمارا نہیں — ہم اس سونے
آپس میں تقسیم کر لیں گے اور اپنا اپنا حصہ زمین وغیرہ
دبا کر محفوظ کر لیں گے — جب ضرورت پڑا کرے گی —
سا نکالا اور کام میں لے گئے — اس طرح یہ سونا
کئی نسلوں کے کام آ سکتا ہے۔"

"لیکن اس زندگی کا کیا فائدہ — جس میں کوئی کوشش
کوئی کام نہ ہو — بس تمام دن بیٹھے مکھیاں مارتے رہو —
لیا، پی لیا — سو گئے — اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس
نہیں پیدا فرمایا۔"

"یہ خشک باتیں آپ اپنے پاس رکھیں۔"

"کیوں — کیا تم بھی مسلمان نہیں ہو —" انسپکٹر جمشید

"ہم مسلمان ہیں —" منجو بولا۔

"اور شیخ صبوتانی ہندو ہے — ایک ہندو نے تمہیں
غلام بنا رکھا تھا — افسوس!"

"اب ہم اس کے غلام نہیں رہے — ہم جا رہے ہیں۔"

تعاقب کرنے کی کوشش نہ کریں — ہمیں روکنے کی کوشش
کی صورت میں ظاہر ہو گی — اچھا — پھر ملیں گے — اگر
زندگی رہی۔"

ان الفاظ کے ساتھ دھم دھم کی آوازیں سنائی دیں — یہی
والی تھا — جس کا انتظار انھیں تھا — ادھر وہ کودے —
چاروں ان پر ٹوٹ پڑے — اور کچھ اس تیزی سے
کہ منجو اور اس کے ساتھی گھبرا گئے — انھیں اپنی رائفلیں
استعمال کرنے کا موقع تک نہ ملا — انسپکٹر جمشید سیدھے منجو سے
تھے — انھوں نے کوشش کی تھی کہ ان کا ایک ہی وار
زمین پر لٹا دے — تاکہ اس کے باقی ساتھی حوصلہ ہار بیٹھیں —
ہی ہوا — جونہی انھوں نے منجو کو گرتے دیکھا — گھبرا گئے —
کی گھبراہٹ ان کے بہت کام آئی — تابڑ توڑ وار کر کے
لے آن کی آن میں تین دشمنوں کو گرا دیا —

لیکن ابھی سات دشمن باقی تھے اور پہلے کی نسبت سنبھل
تھے — مگر رائفلیں اب ان کے ہاتھوں میں تھیں — لیکن سب
ایک ایک کر کے وہ گرتے چلے گئے —

"اب کیا خیال ہے منجو —" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ ہوش میں تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی
دیکھ رہا تھا — شاید اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی

کہ وہ اس قدر آسانی سے شکست کھا جائیں گے۔"

"اب یہ بے چارہ کیا اپنا خیال ظاہر کرے گا — اس کے تو فوت ہو چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اگر تم نے میری بات مان لی ہوتی تو فائدے میں رہتے، تم لوگوں کو بہت معمولی سزائیں ہوتیں — لیکن اب تم اس کے حق دار نہیں رہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

منجو اب بھی کچھ نہ بولا — اس کے ساتھی بھی فکر مند ان کی طرف دیکھتے رہے — وہ لمبے لمبے سانس لے رہے تھے — ایسے میں انسپکٹر جمشید کو ایک عجیب سا احساس ہوا — وہ ساحل کی طرف مڑے اور پھر زور سے اچھلے — ساتھ ہی انھوں نے دوڑ لگا دی۔

محمود، فاروق اور فرزانہ بھی فوراً معاملے کو بھانپ گئے اور بے تحاشا ان کے پیچھے بھاگ نکلے — منجو اور ان کے ساتھیوں کا خیال تک ان کے ذہنوں میں نہ رہا — وہ بے تحاشا دوڑتے رہے — یہاں تک کہ ساحل تک پہنچ گئے — شیخ بھوتالی اور شاہ فیاض دونوں لانچ پر سوار ہو چکے تھے اور لانچ چھوڑ بھی دی تھی — انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — سمندر میں چھلانگیں لگا دیں — اور تیزی سے لانچ کی طرف تیرنے

لگے — لانچ نے ابھی رفتار نہیں پکڑی تھی — ان دونوں نے بھی انھیں دیکھ لیا — لانچ شیخ بھوتالی چلا رہا تھا — اور شاہ فیاض اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے چلا کر کہا:

"جلدی کرو شیخ — وہ لوگ آ پہنچے۔"

"یہ تو امید سے قدرے جلد آ گئے — میرا خیال تھا جب ہم سمندر میں کچھ دور نکل جائیں گے، اس وقت یہ لوگ ساحل پر پہنچیں گے — بہرحال جیت اب بھی ہماری ہے — سونا بھی ہمارا ہے — شاہ فیاض — ان پر گولیاں برسانا شروع کر دو — میں لانچ کی رفتار تیز کرتا ہوں۔"

"بہت خوب — اب انھیں مر ہی جانا چاہیے۔" شاہ فیاض نے پستول ان کی طرف تانتے ہوئے کہا۔

چاروں نے فوراً ڈبکی لگائی اور شاہ فیاض کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"شیخ — وہ تو پانی کے نیچے چلے گئے۔"

"سطح پر نظر رکھیں — جونہی کوئی سر ابھرے — فائر کر دیں۔"

"ہم — میں ایسا ہی کروں گا — لیکن تم لانچ کی رفتار کیوں نہیں بڑھا رہے؟"

"چند سیکنڈ میں لانچ رفتار پکڑ لے گی — فکر نہ کریں۔"

شاہ نے سطح پر نظریں جما دیں — لیکن کوئی سر نہ ابھرا —

ایک منٹ گزر گیا۔

"حیرت ہے — اتنی دیر وہ پانی کی سطح سے نیچے کس طرح رہ سکتے ہیں۔"

"یہ لوگ عام آدمی نہیں ہیں شاہ صاحب۔" شیخ نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم — مجھے تو خطرے کا احساس ہو رہا ہے۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں — وہ تنہا ہیں — اور ہمارے پاس پستول ہیں — وہ پانی میں ہیں اور ہم لانچ پر — ہمارا بھلا کیا مقابلہ۔" شیخ بھوٹانی ہنسا۔

"شیخ — یہ سونا میری ریاست تک پہنچ گیا نا۔"

"بالکل — آپ فکر نہ کریں۔"

"تب پھر — تم زندگی کے آخری سانس تک عیش کرو گے۔"

"ہاں — اور پھر ایک دن مر جاؤ گے اور اس عیش کا حساب لیا جائے گا۔"

اس کے پیچھے سے آواز ابھری — وہ بوکھلا کر مڑا — ہی انسپکٹر جمشید کا مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا۔

"یہ بھی سونے جیسا مکا۔" فاروق چہکا۔

"شیخ — جلدی کرو — میری مدد کو آؤ۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں — پہلی مرتبہ میں بے خبری

کا سے مار کھا گیا تھا — اب تو میں انہیں نچا دوں گا — چگنی کا ناچ۔"

"کاش — کوئی چگنی کا ناچ نچانے والا بھی ہمیں کبھی ملا ہوتا۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"چگنی کا شوق بھی پورا کر دوں گا۔"

شیخ بھوٹانی اب ان کے سامنے کھڑا نظر آیا — اس کے دائیں ہاتھ پر لوہے کا مکا چڑھا تھا۔

"یہ کیا ہے بھئی —" محمود نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ابھی جب میرا یہ ہاتھ تمہاری ٹھوڑی پر لگے گا تو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی کہ یہ کیا ہے۔"

"ہوں! یہ بات ہے تو یہ لو — میری ٹھوڑی حاضر ہے۔" فاروق نے یہ کہہ کر اپنا منہ آگے کر دیا — شیخ بھوٹانی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — ایک مکا کس کر اسے دے مارا، لیکن فاروق تو ہوشیار تھا — بس ذرا سا ترچھا ہو گیا — اس کا مکا آگے نکل گیا — ساتھ ہی اس کی کلائی پر محمود کا ہاتھ لگا اور محمود نے کلائی کو پکڑتے ہوئے اسے اپنی طرف جھٹکا دیا — وہ پہلے ہی مکے کی جھونک میں تھا — منہ کے بل لانچ کے فرش پر گرا —

"ارے — یہ کیا ہوا بھئی۔" فرزانہ ہکلائی۔

"عینک لگا کر دیکھ لو۔ اگر نظر نہیں آ رہا۔" فاروق
جل کر بولا۔

"بے چارہ کہاں ڈھونڈتا پھرے گا۔ اپنی دے [illegible]
محمود نے مشورہ دیا۔

اس وقت شیخ بھوتانی گویا ہوا میں اڑتا ہوا فاروق [illegible]
آ پڑا۔ کم از کم فاروق کو اس سے اس پھرتی کی امید
نہیں تھی۔ وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب وہ اٹھ
نہیں سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوا فاروق دھم سے گرا اور [illegible]
کے نیچے دب گیا۔ ایسے میں محمود حرکت میں آیا۔ لیکن ا[illegible]
جمشید نے اس کے کندھے پر فوراً ہاتھ رکھ دیا اور [illegible]

"نہیں بھئی۔ ذرا فاروق کو ہی نبٹ لینے دو۔ [illegible]
ناز ہے شیخ بھوتانی کو اپنی طاقت پر۔" یہ کہتے [illegible]
ہوئے افضل نے شاہ فیاض کی طرف دیکھا۔ وہ بھی
پھر اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا۔

"تم اسے دیکھو۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔
محمود اس کی طرف مڑا اور ایک ایک قدم اٹھاتا [illegible]
یہاں تک کہ شاہ فیاض کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ [illegible]
اب اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔ لیکن کھڑا نہیں ہو سکا تھا۔
محمود کو اپنے سر پر دیکھ کر اس نے ایک عجیب [illegible]

[illegible] اٹھنے کی بجائے تیزی سے لڑھک گیا اور محمود سے کافی
دور جا کر رکا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوتے ہوئے بولا:

"اب آؤ۔"

"ہیں یہ دونوں بھی دلیر۔ ابھی تک دم خم باقی ہیں۔"
[illegible] نے مسکرا کر کہا۔ وہ بھی محمود کی طرف قدم اٹھا
رہا تھا۔

اچانک شاہ فیاض نے ان پر ایک لمبی چھلانگ لگائی۔
دونوں دائیں بائیں ہٹ گئے اور وہ اپنی جھونک میں آگے
نکل گیا۔ فرش پر گرا اور گر کر پلٹا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا:

"اچھا بھئی اب میں تم سے باقاعدہ جنگ کروں گا۔ تم
لوگ یوں نہیں مانو گے۔"

"یہ فیصلہ پہلے ہی کر لیا ہوتا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں تم دونوں کے لیے کافی ہو
جاؤں گا۔ ادھر شیخ تمہارے بھائی کا کام تمام کر کے انسپکٹر
جمشید سے دو دو ہاتھ کرے گا اور دو دو ہاتھ کی اس جنگ میں
شیخ کا پلہ بھاری رہے گا، اس لیے کہ شیخ لڑائی کا بہت
[illegible]
[illegible] ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔ آپ اپنی باقاعدہ لڑائی کب شروع کر رہے
ہیں۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"یہ لو۔"

اس نے کہا اور ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگا۔ وہ بھی اپنی
جگہ پر کھڑے رہے۔ نزدیک پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ
ان کی طرف بڑھا دیے۔

"اگر ہمت ہے تو میری انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر دکھاؤ"

"یہ کیا مشکل کام ہے۔ یہ لو۔" فرزانہ نے کہا اور دونوں نے
ایک ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ شاہ فیاض نے دونوں کی انگلیاں
اپنی انگلیوں میں جکڑ لیں اور لگا ان پر دباؤ ڈالنے۔

"یہ کیا کر رہے ہو بھئی۔ کیا یہ باقاعدہ لڑائی ہے؟"

"بالکل ہے۔ انگلیوں کا کیا حال ہے؟"

"ابھی تک تو ہماری انگلیوں کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔" فرزانہ

"انگلیوں کا بال بیکا نہیں ہوا۔" محمود نے حیران ہو کر کہا
اور فاروق کی طرف گھوم گیا۔

اسی وقت ایک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔

مختصر کرو

افضل نے چونک کر شیخ بھوٹانی اور فاروق کی طرف دیکھا۔ چیخ
نکالنے والا فاروق کے اوپر نہیں تھا۔ بلکہ اس کے دائیں طرف پڑا
تڑپ رہا تھا اور فاروق اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس
کر شیخ بھوٹانی کا تڑپنا بند ہوتا، فاروق اٹھنے میں
ب ہو گیا۔

"کیا ہوا تھا؟"

"میرا گلا دبا رہے تھے یہ حضرت۔ میں نے بھی ذرا ان کی
ل دبا دی۔ اب مجھے کیا پتا تھا۔ وہ کل تڑپنے والی
" فاروق کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"کونسی کل ہے؟" محمود بولا۔

"ری پسلی کے قریب ہوتی ہے۔ اس بات کو چھوڑو۔
ن کا کیا کریں ابا جان؟"

"ذرا شاہ فیاض کا فیصلہ ہو جائے۔" انسپکٹر جمشید نے

مسکرا کر کہا۔

شاہ فیاض نے ان کی انگلیوں پر پوری طاقت صرف کر دی لیکن دونوں کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نہ نکل سکی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ پورا زور لگا چکا ہے اور مارے حیرت اور خوف کے اس کا برا حال ہے تو انھوں نے اس کی انگلیوں پر دباؤ ڈالا اور جلد ہی اس کا جسم بری طرح پھڑکنے لگا۔ منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلنے لگیں۔

"پروگرام مختصر کردو۔" انسپکٹر جمشید منہ بنا کر بولے۔

"جی بہتر۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔ اور جھٹکا دیا۔ شاہ فیاض دھڑام سے گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

"لیجیے۔ آملیٹ تیار ہے۔" محمود بولا۔

"اب کیا کہتے ہو دوستو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

دوستوں کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ ان دونوں کو باندھ لیا گیا۔ اب جو انھوں نے جزیرے کی طرف دیکھا تو ایک اور منظر سامنے تھا۔ منجو اور اس کے ساتھی رائفلیں تانے ان کے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ اتنی آسانی سے سونا نہیں لے جا سکیں گے۔"

"تو پھر کتنی آسانی سے لے جا سکوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہماری زندگیوں میں یہ نہیں ہو سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے، اب ہمیں تم لوگوں کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لے جانا ہو گا۔ اچھا خیر۔ یونہی سہی۔ ہم آ رہے ہیں۔"

"آؤ آؤ۔ ہماری پستول آپ کا استقبال کرنے کے لیے بے چین ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے انھیں اشارہ کیا اور چاروں نے سمندر میں دم چھلانگیں لگا دیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"ہوشیار۔ یونہی یہ لوگ سطح پر ابھریں۔ انھیں نشانہ بنا ڈالو۔"

"لیکن استاد۔ پہلے آپ کیا کہ رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہماری جانیں بچائی ہیں۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔ لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ سونا ہم انھیں کس طرح لے جانے دیں۔"

"تو پھر۔ انھیں باندھ کر جزیرے پر چھوڑ کر فرار تو ہو سکتے ہیں۔ آخر یہ احسان کا کیسا بدلہ ہے۔ کہ جن نے ہماری جانیں بچائیں اللہ ہم اسے ختم ضرور کریں۔" اس نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں بھول گیا تھا۔ ہمیں ان لوگوں کو باندھ کر یہاں سے نکلنا ہو گا۔ انھیں بھی اور شیخ جلال اور شاہ فیاض کو بھی۔ یہ جانے۔ ان کا کام جانے۔"

ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک — یہ فیصلہ پسند آیا۔"

اور وہ ان کے ابھرنے کا انتظار کرنے لگے — لیکن وہ نہ ابھرے اور کئی منٹ گزر گئے تو وہ حیرت زدہ رہ گئے — منو کے منہ سے نکلا:

"اوہو — یہ لوگ تو ڈوب گئے شاید — آؤ ہم لانچ پر سوار ہو کر نکل چلیں۔"

انھوں نے لانچ کی طرف دوڑ لگا دی —

بڑے پھنسے

بے تحاشا دوڑتے ہوئے وہ پانی میں کود گئے اور لانچ کی طرف تیرنے لگے — افراتفری کے عالم میں جب وہ لانچ کے عرشے پر چڑھنے میں کامیاب ہوئے تو منو نے چلا کر کہا:

"ارے — ہم — مگر — ہم لانچ کو چلائیں گے کیسے؟"

"یہ خدمت ہم انجام دے دیں گے مسٹر منو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی منو کی کمر پر ایک زوردار لات لگی — یہ لات محمود کی تھی — وہ بوکھلا کر مڑے — ساتھ ہی وہ چاروں ان پر ٹوٹ پڑے۔

"ہم نے سوچا — تم لوگوں سے ساحل پر جا کر کیوں نہ دو دو ہاتھ کریں — اس صورت میں تم ہمیں اپنے پستولوں کی زد میں رکھ لو گے — لیکن ادھر آنے کے لیے تمھیں اپنے پستول جیبوں میں رکھنا ہوں گے — نہ صرف یہ کہ تم پستول جیبوں میں رکھ لو گے — بلکہ وہ گیلے بھی ہو جائیں گے اور کچھ دیر کے لیے

ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہے — لہٰذا وہی بہترین وقت ہو گا تم
ٹوٹ پڑنے کے لیے — اور مسٹر مجو — دیکھ لو — ہم تم پر ٹوٹ
پڑے ہیں — لیکن ٹوٹ کر نہیں پڑے —" فاروق نے شرارت
سے کہا — اور ساتھ ہی ایک دشمن کا مکا اس کی ٹھوڑی پر
لگا اور وہ لڑکھڑا گیا۔

"یہ ہے سزا — لڑائی کے وقت باتیں کرنے کی —" فرزانہ نے
منہ بنایا اور اس دشمن کی طرف جھپٹی جس نے اس کے منہ
پر مکا مارا تھا — دوسرے ہی لمحے اس نے اچھل کر اس کی
گردن میں بازو ڈال دیے اور پھر اس زور سے گردن دبائی کہ
وہ بلبلا اٹھا — پھر اسے بے ہوش ہوتے ہی بنی۔

ادھر انسپکٹر جمشید ان میں سے ایک کو دونوں ہاتھوں پر
اٹھا چکے تھے اور اب پٹخ رہے تھے۔

"فاروق — تم نے ایک جملے میں کئی محاورے بول ڈالے
ہیں — لیکن آخری محاورہ غلط ہے — ٹوٹ کر نہیں پڑے نہیں
کہا جا سکتا۔ ٹوٹ کر نہیں گرے۔"

"اوہ ابا جان! بہت بہت شکریہ، ان محاورات کی
یہی بڑی بات ہے کہ ان میں ادھر ادھر سے کوئی لفظ پکڑ کر
شامل نہیں کیا جا سکتا — اور کوئی لفظ ادھر ادھر نہیں کیا جا سکتا۔"
فاروق بولا۔

"لیجیے — اسی جملے میں بھی محاورے لے آئے۔" فرزانہ نے منہ
بنایا۔ اسی وقت اس نے گرفت میں لیے ہوئے دشمن کو چھوڑ دیا،
وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرا۔

"ایک طرف ہم لڑ رہے ہیں — دوسری طرف دھڑا دھڑ محاورے
[illegible] ہیں — ہے کوئی تُک۔" محمود نے جل کر کہا۔

"ہم الگ نہیں رہے — تو بخود قطار در قطار چلے آ رہے ہیں —
پھر —" فاروق نے منہ بنایا۔

عین اسی وقت مجو پھر اٹھ کر محمود کے مقابل آ گیا — وہ
غصے میں تھا — تلملا کر جو ایک مکا محمود کے ناک پر مارا — تو
وہ بس الٹ ہی گیا، کیونکہ محمود تو فوراً جھکائی دے گیا تھا۔
ادھر انسپکٹر جمشید تین آدمیوں کو بالکل ساکت کر چکے تھے —
پھر جو انھوں نے اٹھتے دیکھا تو اس کے ایک بازو پر پاؤں
رکھ دیا اور بولے:

"یہ ہے تمھارا انجام — اگر میری بات مان لیتے تو بہتر
ہوتا۔"

پھر ان کو ان کے قبضے میں دیکھ کر اس کے ساتھیوں کے ہاتھ
پاؤں پھول گئے — وہ حوصلہ ہار گئے اور زیادہ دیر تک محمود، فاروق
فرزانہ کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکے — جلد ہی وہ انھیں
[illegible] رہے تھے — ان سب کو باندھنے کے بعد وہ انسپکٹر

جمشید، شیخ مجوناتی اور شاہ فیاض کی طرف متوجہ ہوئے۔
"اب کیا کہتے ہو دوستو؟"
"تم لوگوں کو بہت بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے انسپکٹر
جمشید — مجھے افسوس ہے۔" شیخ مجوناتی بولا۔
"کیا کہہ رہے ہو بھئی — بہت بڑی شکست کا سامنا ہمیں کرنا
پڑا ہے یا تم لوگوں کو؟" فاروق ہنسا۔
"آپ لوگوں کو۔"
"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" محمود بھنا اٹھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں — ذرا سامنے دیکھ لو۔"
انھوں نے چونک کر سامنے دیکھا اور پھر ان کی آنکھیں کھلی کی
کھلی رہ گئیں — ایک بہت بڑی فوجی کشتی ان کے سامنے تھی اور اس
میں طیارہ شکن توپیں نصب تھیں — یہ دیکھ کر ان کے اوسان خطا
ہو گئے — وہ متوقع بھی نہیں تھے کہ شاہ فیاض اس قدر
زبردست انتظام کے ساتھ اس جزیرے تک آیا ہو گا — شروع
سے ہی انھوں نے یہ نظریہ قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی چھوٹی سی
لانچ کے ذریعے جزیرے پر آیا ہو گا — اور لانچ نزدیک ہی کسی
دوسرے جزیرے کے ساحل پر لگی ہوئی ہو گی — لیکن یہ چھوٹی سی
لانچ بہت بڑی لانچ ہی ثابت نہیں ہوئی تھی — بلکہ فوجی بھی تھی
کیوں — ہو گئی نہ تم لوگوں کو شکست — اب تمہاری آنکھوں

سامنے سارا سونا اس لانچ پر لادا جائے گا — پھر تم لوگوں کو
چھوڑ کر ہم اس لانچ پر یہاں سے روانہ ہوں گے — اور
اب — بھی مقابلے کی ہمت ہے تو آگے بڑھو — اور ٹوٹ پڑو
طیارہ شکن توپوں پر۔" شاہ فیاض نے طنزیہ لہجے میں کہا — اب وہ
مسکرا رہا تھا، پھر اس نے گرجدار آواز میں کہا،
"پہلے ان لوگوں کو گرفتار کیا جائے گا — یہ بہت خطرناک ہیں۔"
"فکر نہ کریں سر۔"
اب کشتی لانچ کے بالکل سامنے آ گئی — اس پر سو کے قریب
فوجی ضرور موجود رہے ہوں گے — ان سب کے پاس جدید
اسلحہ نظر آ رہا تھا۔
"تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو — ورنہ ہم گرفتار کرنے کی زحمت
نہیں کریں گے — بس بھون کر رکھ دیں گے۔"
انھوں نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا — انھوں نے ہاتھ اوپر
اٹھا دیے — محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ہاتھ اٹھا دیے —
بیس فوجی اس لانچ پر کودنے لگے — انھیں نہ صرف باندھ
دیا — بلکہ ان کے سروں پر دس فوجی بھی مقرر کر دیے گئے —
اور اس کے ساتھی پہلے ہی بندھے پڑے تھے — فوجیوں نے
شاہ فیاض اور شیخ مجوناتی کو کھول دیا۔
"اور وہ ہو ہی گیا — جو ہم چاہتے تھے —"

"ہاں! اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہوگی کہ انسپکٹر جمشید
ان کے بچے اپنی آنکھوں سے اپنے ملک کا سونا یہاں سے میری
ریاست میں جاتے دیکھیں گے۔" شاہ فیانی بولا۔

"انسپکٹر جمشید — تم تو بالکل خاموش ہو گئے — تھوڑی دیر پہلے
تو بہت چہک رہے تھے — اب سانپ سونگھ گیا ہے کیا؟"

"یہ بات نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تو پھر — کیا بات ہے؟"

"اب محاورات کی باری تم لوگوں کی ہے؟"

"بہت خوب فاروق — زندگی اس کا نام ہے۔" محمود نے
ہو کر کہا۔

"ہاں! ہار جیت کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں — ہمیں
تو اپنا اپنا فرض انجام دینا ہے — کامیاب ہوتے ہیں یا ناکام —
اللہ کے ہاتھ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"زندہ رہتے ہو یا موت کے گھاٹ اترتے ہو — یہ بھی
اللہ کے ہاتھ ہے۔" شیخ بھوٹانی بولا۔

"بالکل!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"میرا خیال ہے — ان لوگوں سے باتیں تو ہم پھر بھی کر لیں
گے — پہلے سونا منتقل کر لینا چاہیے۔" شاہ فیانی بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے — چلو بھئی — اس ٹرک کے پچھلے حصے

کا چوڑا خانہ بنا رکھا ہے — اس میں سونے کی سلاخیں بھری
ہیں — وہ تمام سلاخیں اپنی لانچ پر لے چلو — یہ لانچ ہم
چھوڑ جائیں گے۔"

"اور ان لوگوں کا کیا کرنا ہے سر۔" ایک فوجی آفیسر نے پوچھا

"بھی بتاتے ہیں — پہلے سونا۔"

"کے سر۔"

فوجی تیزی سے حرکت میں آ گئے — ان کی آنکھوں کے سامنے
سلاخیں ادھر سے ادھر جانے لگیں — وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے
کو دیکھ رہے تھے — سلاخیں منتقل کرنے میں کافی وقت لگ
فوجی آفیسر نے کہا،

"کام مکمل ہو گیا سر۔"

"اچھی طرح دیکھ لو — کوئی سلاخ نہ رہ گئی ہو۔" شاہ فیانی

"اپنا اطمینان کر چکے ہیں سر!"

"یہ — بہت خوب —" شاہ بولا، پھر وہ شیخ بھوٹانی کی

"اب ان کا کیا کرنا ہے؟"

"انہیں گولیاں مار دی جائیں — یا پھر جسموں سے وزنی
کر سمندر کے عین درمیان میں چھوڑ دیا جائے — تاکہ

یہ پھر کبھی نہ ابھر سکیں — زندہ تو ہم انھیں رکھ نہیں سکتے
طرح سونے کا اور آپ کا راز، راز نہیں رہے گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے — لیکن ہم انھیں ساتھ تو لے جا
ہیں۔" شاہ نے کہا۔

"ساتھ لے جا کر کیا کریں گے — یہ لوگ بہت خطرناک
ایک تو ان کی زبردست نگرانی کرنی پڑے گی، دوسرے
ہر وقت یہ فکر رہے گا کہ کہیں یہ فرار نہ ہو جائیں۔"

"پھر تمھاری مرضی — ویسے انھیں قید میں رکھ کر
فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں —" شاہ فیاض نے
اشارہ کیا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ ہم ان کی حکومت سے ان کے بہت دام
کر سکتے ہیں۔"

"لیکن اس طرح تو سونے کا راز، راز نہیں رہ جائے
شیخ مبوٹانی نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی — کس خیال میں ہو — ہم انھیں چھوڑیں گے کب
ذریعے بڑی بڑی رقمیں حاصل کریں گے — ان کی تحریریں
ان لوگوں کو یقین دلاتے رہیں گے کہ یہ ہماری قید میں
تم ابھی مرغ زیادہ جانتے ہو — ان کے دوست خان رحمان

ہیں — اس پروگرام کا طریقہ کار ہم بعد میں طے کر لیں
ا مشورہ یہی ہے کہ انھیں زندہ رکھا جائے — اور ان
دولت کمائی جائے — ہماری ریاست کا اصل مسئلہ
ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے — ہم یہ خطرہ مول لے لیتے ہیں۔"
کی کوئی بات نہیں — یہ لوگ ہر وقت فوجیوں کی
ں رہیں گے — اور تم آزادانہ کام کر سکو گے بلکہ
پروگرام کا انچارج بھی میں تمھی کو بناتا ہوں —
اور ان کی حکومت سے تم کس قدر زیادہ دولت
سکتے ہو — اب یہ دیکھنا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں — میرا اصل روپ تو اب آپ دیکھیں
مبوٹانی ہنسا۔

"مطلب — کیا تم سب کو اپنا اصل چہرہ دکھانا چاہتے ہو؟"
ں — یہ بات نہیں — میں تو اپنے کام کی بات کر
اصل چہرہ دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے — بلکہ
کے ساتھ ہی میں اپنے اصل چہرے سے تو ہمیشہ
ہاتھ دھو لینے کی سوچ رہا ہوں۔"

"واہ — بہت خوب رہے گی یہ ترکیب — میں نے بھی
آج تک نہیں دیکھا — میک اپ اتار کر اگر تم

میرے سامنے آ جاؤ — تو میں بھی نہ جان سکوں گا کہ
بھوتانی ہو — اس طرح شیخ بھوتانی کا کردار ہمیشہ
لیے ختم ہو جائے گا۔"

"میں نے بھی یہی سوچا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور ان لوگوں کے بارے میں کیا کرنا ہے۔"

"یہ سمندر کی مچھلیوں کی خوراک بننے کے قابل ہیں —
نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"ن — نہیں — باس — ہمیں معاف کر دیں۔"

"تم لوگوں کو معاف کر دوں — جنھوں نے مجھے …
میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔" اس نے … کر کہا۔

"ہم سے بھول ہو گئی تھی باس۔" منجو گڑگڑایا۔

"اس وقت تو تم بہت اکڑ رہے تھے — انسپکٹر …
کا سہارا جو مل گیا تھا — اب اپنے اس سہارے کو
… — کس طرح بے بس پڑا ہے۔"

"ہاں واقعی — ان لوگوں نے بالکل غلط سہارا پکڑا …
انھیں تو صرف اور صرف اللہ کا سہارا پکڑنا چاہیے تھا۔" انسپکٹر …
نے سرد آہ بھری۔

"آپ نے یہ سرد آہ کس خوشی میں بھری۔" فاروق …
منجو اور اس کے ساتھیوں کے لیے — یہ بے چارے —

… بچھڑنے والے ہیں۔"

"… نہیں!" منجو اور اس کے ساتھی پکار اٹھے۔

"تمام سونا نوری لانچ پر منتقل ہو گیا ہے — اب ہم سب
اس پر جا رہے ہیں — اس لانچ کا کیا کرنا ہے۔" شاہ …
… بولا۔

"… یہاں اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہیے — آخر
… جمشید وغیرہ کی تلاش میں لوگ نکلیں گے — میں
… — تلاش میں نکلنے والے بس تلاش ہی کرتے رہیں —
… کہ یا تو مایوس ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں —
… وہ بھی گم ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے — چلو بھئی — سب لوگوں کو اپنی لانچ پر
… لو — منجو اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس جگہ غرق
… جا سکتا — یہاں پانی بہت کم گہرا ہے — آگے چل
… کام کریں گے۔"

… کہ دوسری لانچ پر منتقل ہونے میں چند منٹ لگے اور
… لانچ اس لانچ سے دور ہونے لگی — مناسب فاصلے
… طیارہ شکن توپوں کے چند دھماکے ہوئے — لانچ
… اڑ گئی — اس کے پرخچے پہلے اوپر کافی بلندی
… پھر سمندر پر گرے اور بکھرتے چلے گئے — تھوڑی

دیر بعد وہاں لانچ کا نام و نشان بھی نہ رہ گیا اور فوجی
سے سمندر میں جا رہی تھی۔

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد شیخ بھوٹانی بولا:

"اس جگہ ان لوگوں سے بھی نجات حاصل کر لی جا

"بب۔ باس۔ رحم کرو۔ ہم اس ملک میں تمہارے
کام آئیں گے۔ ابھی تمہیں خان رحمان اور حکومت
دولت سمیٹنی ہے۔ اس سلسلے میں تم ہم سے کام
جان کی بازی لگا دیں گے۔"

"جان کی بازی لگاؤ گے نا۔" شیخ بھوٹانی نے
کر کہا۔

"بالکل لگا دیں گے۔"

"بس تو پھر۔ جان کی وہ بازی اسی وقت لگا دو
اب میں نئے آدمیوں کا گروپ بناؤں گا۔ بلکہ۔ گروپ
یہ کام تو میں واپس آ کر چند گھنٹوں میں کر لوں گا۔"

منجو اور اس کے ساتھی بہت چیخے چلائے۔ انھوں
پیر بھی بہت مارے، لیکن ان کی ایک نہ چلی، بندھی ہو
میں انھیں سمندر میں پھینک دیا گیا، چھپاک چھپاک
آوازیں آئیں، پھر چند آخری چیخیں ابھریں اور سمندر
پُرسکون ہو گیا۔ جیسے کچھ دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہیں

انجام تھا جنھوں نے جرائم کو گلے لگا لیا تھا۔

"اب مطلع صاف ہے۔ کیا خیال ہے شیخ۔" شاہ فیاض نے
کر کہا۔

"ہاں! اب ہمارے راستے میں کوئی دیوار نہیں۔ لی کاف، جیرال
ون، جی موف، ورسے رانا، کالی آنکھ اور اس جیسے زبردست
کو ناکوں چنے چبوا دینے والا شخص بھی اس وقت ہمارے
ہے اور پوری طرح بے بس ہے۔ یہ شاندار
نہیں تو اور کیا ہے۔" شیخ بھوٹانی نے فخر کے عالم
کہا۔

"اور مزے کی بات یہ کہ ابھی کہانی ختم نہیں ہوئی۔ یہ
ری ریاست میں ایک خفیہ جگہ قید رہیں گے۔ اور
کے ملک ہی میں رہ کر ان کے ہم وطنوں سے دولت
کے مجھ تک پہنچاؤ گے۔" شاہ فیاض بولا۔

"ت دل کش پروگرام رہے گا۔ لیکن اس میں اگر
ہے تو صرف ایک۔" شیخ بھوٹانی بولا۔

"خطرہ کیسا۔ مجھے تو دور دور تک کسی خطرے کا کوئی
نظر نہیں آ رہا۔"

"اگر یہ لوگ کسی طرح آپ کی قید سے فرار ہو گئے تو"

"اوہ نہیں۔ فکر کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کو قید

سے فرار نہ ہونے دینا میری ذمے داری ہو گی۔ اور اس
سے دولت کے ڈھیر اور لا کر دینا تمہارا کام ہو گا۔ جب
یہ کام مکمل کر چکو گے۔ تو پھر میری ریاست میں
ریاست میں تم جو چاہو گے، کرو گے۔ کوئی تمہیں
والا نہیں ہو گا۔"

"شکریہ شاہ۔" اس نے کہا۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ سمندر کی لہروں کا شور
کانوں میں گونجنے لگا۔ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق ا
شاید پہلی بار یہ محسوس کر رہے تھے کہ بُرے پھنسے۔

* * *

ٹھریلے

وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لمبے قد کا ایک آدمی
انی کے عالم میں سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"ارے انسپکٹر رام۔ تم یہاں کیسے؟" نائب مینجر نے چونک
کر کہا۔

"ایک اطلاع لے کر آیا ہوں۔ جمال کنور نے حوالات
میں خودکشی کر لی ہے۔"

"کیا!!!" وہ زور سے چلائے۔

"ہاں! اور اب خفیہ فورس رات کو ہوٹل پر چھاپہ مارے
گی۔ پولیس سے اس فورس کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ لہذا
ہو جائیں۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

ادھر اکرام اور خان رحمان دھک سے رہ گئے۔ ان کے
ذہن تو اب تک یہی بات سمجھی کر۔ رات کو جب خفیہ

فورس والے آئیں گے — ان کا کام ہو جائے گا — پھر [illegible]
ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے — اکرام [illegible]
بھی براہِ راست فورس کے انچارج کو کیا تھا — فورس [illegible]
انچارج بد تو کیا — اس کے ایک ادنیٰ کارکن پر بھی شک
شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا — کیونکہ وہ سب آدمی انسپکٹر
کے چنے ہوئے تھے — لہٰذا ان کا الجھن میں مبتلا ہونا [illegible]
بات تھی۔

"ہاں! یہی بات ہے — اب آپ خود سوچیں مجھے [illegible]
کیا کرنا ہے — میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔"

"ہم خفیہ فورس سے نبٹ لیں گے — آپ جائیں — [illegible]
اگر آپ نے وقت سے پہلے اطلاع نہ دی ہوتی تو پھر [illegible]
الجھن میں پڑ جاتے — اس لیے [illegible] انسپکٹر رام — آپ [illegible]
اس "خدمت" کا "انعام" ضرور دیا جائے گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب — میں کب امید رکھوں؟"

"جمال کنور صاحب نے خودکشی کر لی ہے — دیکھنا
ہے کہ ان کی جگہ کسی اور کو بھیجا جاتا ہے یا مجھے [illegible]
دی جاتی ہے — اس کے بعد ہی فیصلہ ہو گا۔"

"کوئی بات نہیں — میں انتظار کروں گا۔" یہ کہہ کر
وہ مڑنے لگا۔

"ایک منٹ جناب — رام صاحب۔" اکرام بول پڑا۔
رام چونک کر مڑا — اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔
"آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟"

"ہاں! خفیہ فورس کے چھاپے کے لیے خفیہ فورس کے
[illegible] لوگوں نے ہی فون کیا تھا — سوال یہ ہے کہ اس
[illegible] آپ کو کس طرح ہو گئی؟"

"یہ راز میں نہیں بتا سکتا۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"میں جانتا ہوں — پوری فورس میں ایک بھی غدار نہیں
— آخر پھر کس طرح یہ خبر دوسروں تک پہنچ گئی؟"

"اس کا جواب صرف یہ ہے کہ تاڑنے والے بھی قیامت
کی نظر رکھتے ہیں۔"

"یہ بات میں تسلیم کرتا ہوں — لیکن ذرا وضاحت کریں۔"

"مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں — کیوں جناب — میں
ٹھیک کہا نا۔" اس نے نائب منیجر کی طرف دیکھا۔

"بالکل ٹھیک — تم جا سکتے ہو۔"

اس کے جانے کے بعد نائب منیجر نے کہا:

"اب ہمیں پہلے رات کی تیاری کرنا ہو گی — ان لوگوں
کی لاشیں پڑا رہنے دو — خفیہ فورس والے یہاں تک آئیں
[illegible] گے۔"

دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جو کبھی بھی بند نہیں ہوتا۔ اس وقت اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہم بھی یہی غلطی کر چکے ہیں۔ تاہم ابھی کچھ بھی نہیں اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے اچھی بھلی [illegible] کر ڈالی۔

"ہوں! واقعی۔" وہ بولے۔

اور تینوں کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔ ادھر لوگ دعا مانگ رہے تھے۔ ادھر خفیہ فورس ہوٹل کے [illegible] اپنا جال پھیلا رہی تھی۔ جال مکمل کر لینے کے بعد انچارج اپنے ساتھ دس آدمی لے کر ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس نے کاؤنٹر پر اپنے کاغذات دکھائے۔ ہوٹل کی تلاشی کے [illegible] دکھائے اور بولا:

"ہمیں فوری طور پر تلاشی لینا ہے۔"

"شوق سے جناب۔ بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا [illegible]"

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ہال میں لوگوں کو دیکھنے لگے۔ شاید سوچ رہے تھے۔ انھیں بلانے والا خود کہاں ہے۔ آخر انچارج نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ تلاشی شروع کر دیں۔" آخر اس نے آ کر کہا۔

اس کے ساتھی مختلف سمتوں میں آگے بڑھ گئے۔ خود اس نے بھی تلاشی والا کام شروع کیا۔ اندر آدمی کم محسوس ہوتے ہوئے اسے دس آدمی اور اندر بلانا پڑے۔ تلاشی ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ اور پھر وہ سب لوگ ہال میں [illegible] ہوئے:

"ہو گئی جناب آپ کی تلاشی مکمل۔" نائب منیجر نے طنزیہ [illegible] میں کہا۔

"ہاں! ہمیں غلط اطلاع ملی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔ آج کل یہ بھی لوگوں کا ایک شغل ہے۔ بلاوجہ کسی کے خلاف کوئی اطلاع کر دی۔ اور دور [illegible] تماشہ دیکھنے لگے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ [illegible] نے بھی آپ کو اطلاع دی۔ وہ اس وقت یہاں نہیں [illegible]۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں۔ آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" انچارج مسکرایا، [illegible] شرمندہ انداز میں ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھ [illegible] اس کے ساتھی بھی سر جھکائے اس کے پیچھے چل دیے [illegible] ہوٹل کے بیروں اور دوسرے عملے کے چہروں پر گہری مسکراہٹیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ اور یہ لوگ اندر ہی [illegible] پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جل بھن رہے تھے

کہ آخر سب انسپکٹر اکرام کہاں رہ گئے۔

وہ دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ ایک عجیب سی آواز نے ان کے قدم روک لیے۔ کسی نے کہا تھا:

"ذرا ٹھہریے جناب۔ اس قدر مایوس ہو کر جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ چونک کر مڑے۔ ہوٹل کا عملہ بھی حیرت زدہ انداز میں اس طرف دیکھنے لگا۔ وہاں ایک بہت خوب صورت نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر دل کش مسکراہٹ تھی۔

"آپ نے۔ ہم سے کچھ کہا؟"

"ہاں بالکل۔ کیونکہ اس وقت ہوٹل سے آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں نکل رہا ہے۔"

"فرمائیے۔ ارے ہاں۔ آپ کے جملے کا کیا مطلب ہے؟"

"میں نے کہا تھا کہ آپ کو اس حد تک مایوس ہو کر یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو جن لوگوں کی تلاش یا جس چیز کی تلاش ہے۔ اس کی تلاش میں میں آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"بھلا آپ ہماری کیا مدد کر سکیں گے؟"

"ہر وہ مدد جو آپ چاہیں گے۔"

"مثلاً۔ کچھ ہم بھی تو سنیں۔"

"آپ کو اپنے کچھ ساتھیوں کی تلاش ہے۔ ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"اور آپ کو اس ہوٹل میں کسی غیر قانونی چیز کی بھی تلاش ہے۔"

"بالکل۔" انھوں نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"اب تو میں آپ کے لیے بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔ آئیے میرے ساتھ۔" اس نے دو قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"سوری مسٹر۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑاؤ۔ ورنہ۔"

ایک سرد آواز ہال میں گونجی۔ نوجوان نے چونک کر سامنے دیکھا۔ چار خونخوار قسم کے پہلوان ٹائپ آدمی اس سے چند قدم دور کھڑے نظر آئے۔

ان کے چہروں پر خوفناک مسکراہٹیں تھیں۔

وہ مارا

"اب کیا کیا جائے۔" نوجوان نے بے بسی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔ یہ میرا آرڈر ہے۔" خفیہ فورس کے انچارج نے کہا۔

"بیٹھو۔ ہوٹل کا دروازہ بند کر دو۔" ایک اور آواز گونجی۔ ساتھ ہی انھیں سیاہ لباس میں ایک بدصورت آدمی اندر جھٹکے سے باہر آتا نظر آیا۔

"اوہو۔ جمال کنور کے باس۔" کئی بیرے مسکراتے انداز میں بولے۔

"کیا مطلب۔ کیا ہوٹل کے مالک کا بھی کوئی باس ہوتا ہے۔"

"مسٹر جمال کنور انھیں باس ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کیسے۔ بہرحال ہم ان کا حکم ماننے پر مجبور ہیں۔" مینیجر نے کہا۔

ہوٹل کا صدر دروازہ بند کر دیا گیا۔

"قانون کے راستے میں رکاوٹ بننے کا جرم کر رہے ہیں آپ۔" انچارج نے سرد آواز میں انھیں خبردار کیا۔

"اب قانون اس ہوٹل سے باہر نہیں جا سکے گا۔"

"ہوٹل میں موجود لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔" انچارج نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ لوگ بھی دم نہیں مار سکیں گے۔ بعد میں آنے والے پولیس کو ایک لفظ نہیں بتا سکیں گے۔ ان کا بیان یوں ہو گا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ کوئی تلاشی لینے کے لیے آیا ہی نہیں۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ خیر یونہی سہی۔ ہمیں معاف کر دیں۔" اس نوجوان نے جلدی سے کہا۔

"ہا ہا۔ مزا آ گیا۔ بن گئی بھیگی بلی۔"

"ان حالات میں بھیگا چوہا بھی بن جانا چاہیے۔ کیوں بھائی۔ آپ کا کیا خیال ہے۔" نوجوان نے پریشان ہو کر انچارج سے پوچھا۔

"مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ آپ کا ہمیں روکنے کا انداز تو اور قسم کا تھا۔ خیر۔ آپ میں لڑنے بھڑنے کی ہمت نہیں ہے تو آپ ایک طرف ہٹ جائیں۔ آپ ہمیں اس ہوٹل اور ہمارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہی بہت ہے۔"

"شکریہ — شکریہ — تو آپ ان سب سے لڑیں گے — یہ تو آپ کا بھا دیں گے بھرمر — آخر یہ بہت سارے ہیں"

"بہت ساروں کو لڑنے کی ضرورت نہیں — تم سب کے لیے چار ہی کافی ہیں — اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہم چاروں کوئی ہتھیار استعمال نہیں کریں گے — بس صرف پہلوانی کے گر کام میں لائیں گے اور آپ دیکھیں گے کہ ہم کس کس طرح آپ سب کو پنجیاں کھلاتے ہیں"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" انچارج نے منہ بنایا۔

"نن — نہیں — نہیں — بعد میں ان چار کی مدد کے لیے دوسرے بھی کود پڑیں گے" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"آپ تو کچھ زیادہ ہی بزدل نظر آ رہے ہیں" انچارج جل گیا۔

"آپ نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا — اور ادھر یہ صاحب بھی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ بس یہ چار ہی مقابلہ کریں گے ان کی مدد کے لیے دوسرے نہیں کود پڑیں گے"

"ہاں ہاں کوئی بات ہے"

"تب پھر — تم چاروں سے میں اکیلا لڑوں گا — ہاں — دیکھا جائے گا"

"بھئی واہ — کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا"

یہ کہہ کر وہ چاروں چار طرف سے نوجوان کی طرف بڑھے۔

"نہیں! تم لوگوں کو ہم سے ٹکرانا ہو گا — یہ شریف آدمی تمہارا مقابلہ نہیں کرے گا" انچارج نے قدم آگے بڑھایا۔

"بزدلی کا طعنہ دینے کے بعد تو درمیان میں دخل نہ دیں — میں آپ سے درخواست کرتا ہوں" نوجوان نے گھبرا کر کہا۔

ادھر ان چاروں نے بیک وقت اپنے دونوں ہاتھ سروں سے بلند کیے اور اس پر دے مارے — نشانہ سر کا لیا تھا — غالباً ان کا پروگرام یہ تھا کہ ایک ساتھ آٹھ ہاتھ اس کے سر پر پڑیں اور وہ اپنے پیروں پہ کھڑا نہ رہ سکے — بلکہ پھر اٹھ بھی نہ سکے — لیکن ہوا کچھ اور، ان چاروں کے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے — نوجوان تو پتا نہیں کس طرح ان کے درمیان سے نکل گیا تھا — اور ذرا دور کھڑا نظر آ رہا تھا — چہرے پر اب بھی گھبراہٹ کے آثار تھے — وہ چاروں جھنجھلا کر پھر اس کی طرف جھپٹے۔

"م — میں — نے — میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا"

انچارج کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — اچانک وہ چاروں پہلوان بڑی طرح اچھلے اور ادھر ادھر گرے — انچارج

دیکھ نہ سکا کہ نوجوان نے کیا حرکت کی تھی — اور پہلوانوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ جن سے وہ ٹکرا رہے ہیں — کوئی اناڑی نہیں ہے —

"پکڑ لو — سب مل کر اسے۔" ایک پہلوان دھاڑا۔

"دیکھا — میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا — کہ یہ سب کو پڑیں گے — جھوٹے، بے ایمان — دھوکے باز۔" نوجوان نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"خبردار —" انچارج نے بلند آواز میں کہا اور پستول نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا — دوسرے ہی لمحے بوڑھے آدمی کا قہقہہ گونجا۔

"ہاہاہا — پستول اب تم لوگوں کے پاس کہاں — وہ تو پہلے ہی نکال لیے گئے ہیں۔"

"ہاں بالکل ٹھیک — جب وہ آپکا پستول نکال رہا تھا تو میں بھی دیکھ رہا تھا۔" نوجوان نے خوش ہو کر ایک طرف کھڑے پچکے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مطلب ہے" انچارج چونکا۔

"شاید یہ کوئی بہت ہی بہترین قسم کا جیب کترا ہے — پستول اس نے اس قدر صفائی سے نکالے کہ آپ کو کانوں کان — نہیں — ہاتھوں ہاتھ خبر نہ ہو سکی۔"

انچارج اور اس کے ساتھی دھک سے رہ گئے — دراصل ان بے چاروں کا کام صرف ہدایات پر عمل کرنا تھا — اب چونکہ انہیں اپنی سمجھ سے کام کرنا پڑ گیا تھا — اس لیے مار کھا گئے —

"خیر کوئی بات نہیں — ابھی ہمارے ہاتھ سلامت ہیں۔" انچارج نے کہا۔

"ہاں ضرور — اگر تم ہیروں کی فوج کا مقابلہ کر سکتے ہو تو ضرور شروع ہو جاؤ — ہمیں کوئی اعتراض نہیں — پیٹر — اب پردے بھی گر جانے چاہییں — تاکہ باہر سے اندر کا [illegible] میں نہ دیکھا جا سکے۔" جمال کنور کے باس نے کہا۔

دروازوں اور کھڑکیوں پر دوسرے ہی لمحے موٹے پردے گر گئے — اور پھر ہیروں کی فوج ان پر ٹوٹ پڑی — ہال میں موجود گاہک اب دیواروں سے لگے ہوئے تھے — وہ تھر تھر کانپ رہے تھے — نوجوان نے ایسے میں ایک زوردار آواز نکالی — ہوا میں اچھلا اور پھر اس کے ہاتھ پیر مشین کی طرح حرکت کرتے نظر آئے — انچارج اور اس کے ساتھی بھی بہت دلیری اور پھرتی سے لڑنے لگے — لیکن نوجوان کا انداز ہی کچھ اور تھا — ایسے میں ہال میں ایک آواز گونجی:

"ہائیں — یہاں تو جنگ ہو رہی ہے۔"

انچارج کی نظر اس طرف اٹھ گئی — دو لڑکے اور ایک
موڑ کر بیروں کی طرف آتے نظر آئے — وہ ہوٹل کے اندر
حصے سے آئے تھے — پھر وہ بھی لڑائی میں شریک ہو
گئے — انچارج نے ان کے لڑنے کا انداز دیکھا تو عش عش
کر اٹھا — لیکن عش عش کرنے کا یہ وقت کہاں تھا — تیر
یہ نکل کر ایک بیرے کا بھرپور مکا اس کے منہ پر لگا،
لڑکھڑا گیا — لیکن پھر سنبھل گیا — اور لڑائی میں مصروف
ہو گیا۔

جلد ہی سب لوگوں نے محسوس کر لیا کہ بیرے نوجوان کی
طرف بڑھنے سے کترا رہے ہیں — وہ سب اس سے خو
زدہ ہو چکے تھے — جس طرف وہ بڑھتا — بیرے کائی کی
طرح چھٹ جاتے — یہ دیکھ کر انچارج اور اس کے ساتھ
جوش میں بھر گئے — ادھر دونوں لڑکے اور لڑکی بھی
کام دکھا رہے تھے — بیرے ان سے بھی گھبرانے لگے —
اور پھر بدصورت آدمی نے جھلا کر کہا:

"بیوقوفو تم سب ایک طرف ہٹ جاؤ — ان کے
میں اکیلا کافی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا — بیرے فوراً دیواروں کی

اور لڑکوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہو گئے — بدصورت
بڑھا نوجوان کی طرف گیا اور سانپ کی طرح پھنکارا،
"میں نے تمہیں گرا دیا تو سمجھو سبھی بگڑ گئے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں — ان تینوں کو گرانے کے لیے بھی
محنت کرنا پڑے گی۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا۔

"کیا جائے گا، پہلے تم سے تو فیصلہ ہو جائے۔"

اس نے یہ کہتے ہی اس کی طرف وحشیانہ انداز میں چھلانگ لگائی
اس کے ہاتھ پر لوہے کا ایک مکا بھی نظر آیا —
یہ وار انچارج بھی تھے — ان کے قریب گرتے ہی اس
مکا ان کے منہ پر دے مارا — نوجوان پہلے ہی اس
کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا — اس بار اسے
ہوئی — تاہم وہ بے خبر نہیں تھا، اس کی جگہ کوئی
تو ضرور چوٹ کھا چکا ہوتا — وہ اس مکے سے بہت
انداز میں بچے — پہلے مکے کو اپنے منہ کی طرف آنے
اپنے بازو پر اس کی کلائی کو روکتے ہوئے بازو
دیا، لہٰذا مکا آگے نکل گیا — ساتھ ہی اس نے
کے پیٹ میں دایاں گھٹنا دے مارا — وہ بلبلا کر آگے
گیا — اس کا دوسرا مکا باسی کی کمر پر لگا — وہ جب
پر گرا، ساتھ ہی نوجوان نے اپنا پیر اس کی کمر

پر رکھ دیا اور پُرسکون آواز میں بولا:

"تم نے بہت دعوے کیے تھے۔ اب ایک بات

بھی سُن لو۔ اگر تم میرا پیر اپنی کمر پر سے ہٹا کر

ہونے میں کامیاب ہو گئے تو میں اپنی شکست تسلیم

گا اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر ہوٹل سے نکل

گا۔ لیکن اگر تم نہ اٹھ سکے۔ تو پھر ہر وہ کام کیا

گا جو ہم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

بدصورت آدمی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس

حالت میں اپنا جسم اٹھنے کے لیے پورا زور لگاتا رہا

اس نوجوان کے پیر کو نہ ہٹا سکا۔ یہاں تک کہ اس

کس بل ڈھیلے ہو گئے۔ اسی حالت میں نوجوان نے

سے کہا۔ . .

"اب آپ بے فکر ہو کر پولیس کو فون کر دیں

فورس منگا لیں۔ جو بھی یں آئے کریں۔ یہ آپ

راستے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ لیکن جس وقت آپ ا

ٹوکا تھا۔ اس وقت ہمارے ساتھیوں کے بارے

کہا تھا۔"

"اوہ ہاں! میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ کیوں بھئی

وں کا کیا بنا؟"

وہ ہوٹل کے تہ خانے میں لے جائے گئے اور پھر انھیں

آتے نہیں دیکھا گیا۔ جب کہ لے جانے والے واپس

آئے ہیں۔"

بہت خوب۔ آپ نے سنا۔ لہٰذا فون کریں۔"

کاؤنٹر پر گیا اور متعلقہ لوگوں کو جلدی جلدی فون

لگا۔ آخر ایک گھنٹے بعد وہ تہ خانے میں اتر رہے

تہ خانہ پوری طرح روشن تھا۔ اکرام، خان رحمان اور

داؤد چونک اٹھے اور ان کی طرف دیکھنے لگے۔

ائیں۔ یہ۔ یہ تو انکل خان رحمان، پروفیسر انکل اور انکل اکرام

آپ کی شوخ آواز تہ خانے میں گونجی۔

اور یہ۔ یہ آپ ہیں انسپکٹر کامران مرزا۔ میک اپ میں۔"

داؤد بولے۔

بس۔ یہی سمجھ لیں۔" وہ مسکرائے۔

ضرور۔ کیوں نہیں سمجھیں گے۔ ہم تو بڑی خوشی سے

گے۔" خان رحمان بولے

تھوڑی دیر بعد پورا ہوٹل ملٹری کے زبردست گھیرے میں تھا

کی پیٹیاں تہ خانے سے باہر نکالی جا رہی تھیں۔

تمام عملہ کڑی نگرانی میں تھا۔ ان میں نائب منیجر اور

پاس بھی شامل تھے — جب ان کے بارے میں چھان بین کی
وہ سب کے سب ہندو ثابت ہوئے — پاسی کو گرفتار کر کے تھانے
جایا گیا — اس نے کئی گھنٹے تک سختیاں برداشت کیں لیکن
زبان کھولنے پر آمادہ ہو ہی گیا، اس نے بتایا — ملک کے
صوبے کو ملک سے علیحدہ کر کے غارجستان میں شامل کرنے
پروگرام پہلے بنایا گیا تھا، آئے دن ملک میں دھماکے اسی
کی وجہ سے کرائے جا رہے ہیں — ساری توڑ پھوڑ اسی سلسلے
پھیلائی گئی ہے — یہ اسلحہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے — تخریب
کاری کے پروگرام دراصل اس ہوٹل میں ترتیب دیے جاتے
ہیں — جمال کنور بھی ہندو تھا — لیکن وہ بھی ہوٹل کا اصل
نہیں تھا — اصل مالک وہ بدصورت آدمی تھا — یہ بات
نے خود تسلیم کی — اب اس سے دوسرا سوال کیا گیا۔

"سونا کہاں ہے — انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی کہاں
"یہ بات میں نہیں جانتا — ہمیں ہدایات تھیں کہ شیخ
کا ہر طرح ساتھ دیں — مدد کریں، جو وہ کہے، کریں — وہ
کیا کرتا تھا — اس کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں
مطلب یہ کہ وہ ہمارے ماتحت تو تھا نہیں کہ اس کے
ہمیں بھی کچھ معلوم ہوتا۔"

"ہوں!" انسپکٹر کامران مرزا اس کی آنکھوں میں دیکھتے

اور پیچھے ہٹ آئے۔
اسے واقعی کچھ معلوم نہیں ہے بھئی — یہ جھوٹ نہیں
۔"

ب پھر — یہ تو کچھ نہ ہوا۔"
بہت الجھن میں ہیں — پہلے آپ ہماری الجھن تو رفع
خان رحمان نے بے تابانہ کہا۔
"اوہ ہاں — یہ بات بھی ہے — آئیے — بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"
ایک الگ کمرے میں آ کر بیٹھ گئے — اب انسپکٹر کامران مرزا
شروع کیا:
"انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کی گمشدگی — سونے کی چوری
کے ساتھ ہی ہم نے اخبارات میں پڑھی — فوری طور پر
ذہن میں آیا کہ یہ کوئی چھوٹا سا معاملہ نہیں ہے — لہٰذا ہم
اپ کیا اور اس طرف آ گئے — سن گن لیتے ہوئے آخر
کے ہوٹل تک پہنچ گئے — اس میں کمرے لے لیے
خاموشی سے ہر بات کا جائزہ لیتے رہے — جب آپ لوگ
اور نائب منیجر آپ کو ساتھ لے گیا تو آفتاب وغیرہ
تعاقب میں تھے — لیکن میں نے انہیں خاص طور پر
کی تھی کہ جب تک ہاں نہ کہوں دخل اندازی نہیں کرنی —
یہ صرف تہ خانے کا راستا معلوم کر کے رہ گئے — میں

دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کس حد تک جاتے ہیں اور
ذریعے شیخ سبوتانی کا پتا چلتا ہے یا نہیں — اس سارے
میں عجیب بات صرف اور صرف ایک ہے — اور وہ یہ
کنور اس جزیرے کے بارے میں جانتا تھا — لیکن بدصورت
کو معلوم نہیں — اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ باس اگر
جمال کنور ہی تھا — یہ نہیں — یہ لوگ اس حد تک ضرور
کر رہے ہیں — جب کہ انھیں فائدہ کچھ نہیں — میں باس کو
بار پھر ٹٹولوں گا — اس کے بعد ہم بے آباد جزیروں کی
میں نکلیں گے — کسی نہ کسی جزیرے پر تو ان کے آثار
جائیں گے — دوسرے یہ کہ اگر وہ کسی جزیرے پر نہیں
اور آثار وہاں کچھ مل جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا
انھیں اغوا کرنے کے بعد جزیرے پر لایا ضرور گیا تھا — لیکن
سے کہیں اور لے جایا گیا ہے — کہاں — یہ ہمیں معلوم کرنا
گا — ورنہ ہم انھیں تلاش نہیں کر سکیں گے۔" یہاں تک کہہ کر
مرزا خاموش ہو گئے۔

"ہم تو یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو
مدد کے لیے یہاں بھیج دیا ہے۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر
"اللہ کرے یہی بات ہو — بہرحال ہم وقت ضائع نہیں کریں گے
آرام کیے بغیر ہم اپنی مہم جاری رکھیں گے — لہٰذا پہلے ہیں

دو باتیں کروں گا — آیئے آپ لوگ بھی۔"
پھر کمرۂ امتحان میں آ گئے — باس شکنجے میں ہی موجود تھا۔
اں آن تھے۔
اں آن کیے بغیر میں دو باتیں پوچھتا ہوں — اگر تم بتا دو
ٹھیک — ورنہ پھر بٹن دبانا پڑے گا۔"
نہیں — اس کی ضرورت نہیں — میں تو پہلے ہی ہار
چکا ہوں۔"
ایک اور بتا دو — تم جمال کنور کے باس بھی تھے؟"
اں! اس ہوٹل میں مجھ سے اوپر کوئی نہیں تھا۔"
پھر تمھیں شیخ سبوتانی کا پتا معلوم ہونا چاہیے۔"
افسوس! مجھے معلوم نہیں ہے۔"
اں پھر جمال کنور کو کیوں معلوم تھا — باس تو آپ ہیں۔"
سبوتانی کی زیادہ تر ملاقاتیں یا بات چیت جمال کنور
ہوتی تھی — اس نے باتوں باتوں میں کبھی اس
کے بارے میں بتا دیا ہو گا۔"
اں تمھیں اس نے کیوں نہ بتایا؟"
اس لیے کہ میرا اس سے براہِ راست کوئی تعلق تھا ہی
اس نے کہا۔
اں خیر — ٹھیک ہے — میں بٹن نہیں دباتا — اسی بات

کو درست مان لیتا ہوں، لیکن اگر ہماری تفتیش
غلط ثابت کر دی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"
"ٹھیک ہے۔"

وہ وہاں سے نکل آئے ــ پھر سرکاری سطح پر ایک
کا انتظام کیا گیا ــ ایک ماہر قسم کے ملاحوں کا گروپ
لیا گیا ــ اور وہ سمندر میں آگے بڑھنے لگے ــ ملاحوں
بتا دی گئی تھی کہ انھیں کس قسم کے جزیرے کی
ان کے راستے میں جو بے آباد جزیرہ بھی آتا
اس کے کنارے پر رک کر جزیرے کو چیک کر کے
آگے بڑھتے رہے ــ ان کی یہ تلاش جاری رہی ــ
کہ پورے چوبیس گھنٹے گزر گئے ــ سب کے چہروں
کے آثار صاف نظر آنے لگے ــ جب کہ انسپکٹر کامران
اب بھی پوری طرح چست نظر آ رہے تھے ــ لیکن
کا کیا کرتے ــ آخر انھوں نے دو گھنٹے تک آرام کی
اجازت دی ــ دو گھنٹے کے بعد ان کا سفر پھر شروع
دوسرے چوبیس گھنٹے بھی گزر گئے ــ انھوں نے پھر
آرام کیا اور تیسری بار سفر شروع کیا ــ تین گھنٹے
کے بعد ایک جزیرے کے آثار نظر آئے ــ اس کے
طرف لانچ نے چکر لگایا ــ کنارے پر کسی لانچ کے

آئے ــ آخر وہ کنارے پر اترے اور جزیرے کے اندر کی
طرف بڑھنے لگے ــ اچانک آفتاب نے بلند آواز میں کہا:
"وہ مارا۔"
سب اس کی طرف دوڑ پڑے ــ انھوں نے دیکھا ــ ایک درخت
کی شاخ میں ایک رومال بندھا ہوا تھا ــ وہ الجھا ہوا نہیں تھا ــ
اسے شاخ کو باندھا گیا تھا ــ رومال کھول کر اس کو سونگھا گیا ــ
فاروق کی پسندیدہ خوشبو اس میں سے آ رہی تھی ــ رومال
کے کونے پر ف بھی لکھا ہوا تھا۔
"اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انھیں یہاں لایا
گیا تھا۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"آئیے آگے چل کر دیکھتے ہیں ــ ضرور کچھ اور آثار بھی
ملیں گے۔"
وہ بے چینی کے عالم میں آگے بڑھے ــ

اخروٹ کا فائدہ

آخر وہ جھنڈ تک پہنچ گئے — اس جگہ انھیں بے شمار قدموں کے نشانات نظر آئے — وہ انھیں بغور دیکھنے لگے — پھر آفتاب نے چلا کر کہا:

"میں ان نشانات کو اچھی طرح پہچانتی ہوں — یہ انکل جمشید کے جوتوں کے ہیں اور یہ محمود کے — یہ فاروق اور فرزانہ کے ہیں — ان کے علاوہ یہاں بے شمار نشانات ہیں — اس کا مطلب ہے — وہ بہت سے لوگوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔"

"ہاں! یہی بات ہے — لیکن — اب وہ لوگ جزیرے پر نہیں ہیں، سوال یہ ہے کہ — وہ یہاں سے کہاں گئے — یا کہاں لے جائے گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا فکرمندانہ لہجے میں بولے۔

"انکل آپ شیخ بھوٹانی نام پر غور نہیں کرتے۔" فرحت نے عجیب انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"یہ شخص بھی ہندو نظر آتا ہے — اس کا مطلب پھر یہ ہوا کہ سونا شارجستان کے ایجنٹوں نے اڑایا ہے — اور ان لوگوں کو اب شارجستان لے جایا گیا ہے۔" آصف نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن کیوں — سونا تو وہ حاصل کر چکے تھے — اب انھیں انکل جمشید وغیرہ کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی — انھیں ساتھ لے جانا قانون کے لیے اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

"ہاں! انکل — میں بھی یہی بات سوچ رہی ہوں اور میری پریشانی ہر لمحے بڑھ رہی ہے۔" فرحت نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس بات کا تمھاری پریشانی سے کیا تعلق —" آفتاب نے منہ بنایا۔

"ان لوگوں کو انکل جمشید وغیرہ کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی — لیکن وہ انھیں رہا بھی نہیں کر سکتے تھے — اس صورت میں ہم کیا سوچ سکتے ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔

"اوہ! آپ کا مطلب ہے — ان لوگوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔" آفتاب نے کانپ کر کہا۔

"اللہ نہ کرے — کہ ایسا ہو — لیکن اگر ایسا ہو چکا ہے

تو ہم سوائے صبر کے اور کیا کر سکتے ہیں — البتہ ایک بات
ہے — اور وہ یہ کہ اس صورت میں، میں ان کے قاتلوں
نہیں چھوڑوں گا — وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں چلے
گئے ہیں، ان تک ضرور پہنچوں گا — اور ان شاء اللہ انھیں ختم
کر کے رہوں گا۔" انھوں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"بہرحال! ہم تو اللہ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ وہ ...
سے ہوں۔" فرحت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آمین!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

انھوں نے ایک ایک شاخ اور ایک ایک درخت
بغور جائزہ شروع کیا — اس بات میں اب کوئی شک
رہ گیا تھا کہ ان لوگوں کو اس جزیرے پر لایا گیا
لیکن انھیں یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ یہاں سے کہاں گئے

"ایک بار ہمیں اس جگہ کا نام معلوم ہو جائے — پھر
ہم وہاں اُڑ کر پہنچ جائیں گے۔"

"ابھی بھی کیا جلدی کہ بغیر پروں کے اُڑ جائیں
اور منہ کے بل گریں گے — ہم سوچ سمجھ کر روانہ ہو...
کیوں انکل؟" فرحت نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہم سوچ سمجھ کر ہی روانہ ہوں گے اور جلدی ہی ...
لگے، کیوں کہ معاملہ ہمارے ساتھیوں کا ہے — نہ جانے

... حال میں ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"تب پھر جلد از جلد اس پورے جزیرے کو دیکھ لیا جائے —
اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم مختلف سمتوں میں نکل جائیں،
اس طرح بہت تھوڑے وقت میں ہم یہ کام کر سکیں گے"

... کی اس ترکیب پر عمل شروع ہوا — ہر کوئی مختلف
سمتوں میں قدم اٹھانے لگا — ایک گھنٹے بعد ان سب کی
... گھنٹہ میں ہوئی۔

"کسی کو کوئی کام کی چیز ملی؟" انسپکٹر کامران مرزا نے
ان سب کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں!" کئی آوازیں ابھریں۔

"تو پھر اپنی اپنی چیزیں سامنے کر دیں۔"

"سب سے پہلے آپ اس چیز کو دیکھیں۔" آفتاب نے
پُرجوش انداز میں کہا۔

انھوں نے دیکھا — اس کے ہاتھ میں سگریٹ کا ایک
ٹکڑا تھا — ٹکڑا بالکل صاف ستھرا اور نیا تھا، گویا آج
ہی پی کر پھینکا گیا تھا — پھینکنے سے پہلے اس ٹکڑے
کو بجھایا نہیں گیا تھا — انسپکٹر کامران مرزا نے ٹکڑے کو
ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا، سونگھا — پھر بولے:

"یہ کوئی بیرونی سگریٹ ہے — ہمارے ساتھیوں میں

تو کوئی سگریٹ پیتا ہی نہیں — ظاہر ہے — یہ دشمنوں ہی
سے کسی نے پھینکا ہے — لیکن اس سے ہم کسی خاص
نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے — آصف — تمہارے پاس دکھانے کے
لیے کچھ ہے۔"

"ہاں انکل — یہ دیکھیے —" اس نے پرجوش انداز میں کہا
اور ایک ننھا سا اخروٹ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ — یہ کیا — یہ تو اخروٹ ہے —" آفتاب نے مذاق
اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تو میں نے کب کہا یہ اناناس ہے۔" آصف نے بُرا منا
کر کہا۔

"لیکن بھلا اس اخروٹ سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"اخروٹ بالکل تازہ ہے — میرا مطلب ہے — زیادہ
زیادہ دس پندرہ دن پہلے درخت سے توڑا گیا ہوگا۔"
آصف مسکرایا۔

"تب بھی — ہم بھلا اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
کیا خیال ہے انکل۔" آصف مسکرایا۔

"اخروٹ پر بعد میں بات کریں گے — فرحت — تمہیں
کچھ ملا۔"

"جی ہاں — خون کے کچھ قطرات — ایک درخت پر

اور چند خون آلود بال لگے ہوئے ہیں — خون بالکل تازہ ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے — یہ بات معلوم ہو گئی کہ جزیرے پر
بھی لڑی گئی ہے — پروفیسر صاحب آپ —"

"مجھے تو اپنے مطلب کی ایک چیز ملی ہے۔" وہ
اور ایک ننھی سی ڈبیہ نکال کر ان کی طرف بڑھا دی۔

"یہ کیا ہے پروفیسر صاحب —" انسپکٹر کامران مرزا کے
میں حیرت تھی۔

"ایک آلہ — اس کی مدد سے کسی بھی مشینری کو جام کیا
سکتا ہے — کسی لانچ کو — یا کسی ہوائی جہاز کو — اور
ہر قسم کی مشینری کو اگر ہم جام کرنا چاہیں تو اس آلے
ان کے مشین میں فٹ کرنا پڑتا ہے — اس کے
وہ مشین اس وقت تک نہیں چلے گی — جب تک کہ یہ آلہ
اس سے نکال نہ لیا جائے — اور مزے کی بات یہ ہے
مجھے عین ساحل پر پڑا ملا ہے — گویا اس کے
لانچ کا انجن جام کیا گیا تھا — تاکہ لانچ کو کوئی
اور نہ بھگا لے جائے — اور جب وہ رخصت ہونے لگے
انہوں نے اس آلے کو نکال کر پھینک دیا — حالانکہ اس
پھینکنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی — یا تو ان سے لاپروائی
ہے — یا پھر — اوہ میں سمجھ گیا۔" وہ چونک اٹھے۔

"جی — کیا سمجھ گئے آپ" آصف جلدی سے بولا۔

"لانچ چلانے کے لیے یہ آلہ نکالنا ضروری تھا —
کے سامنے اس آلے کو نکال کر اگر حفاظت سے اپنے
رکھا جاتا تو ضرور انسپکٹر جمشید وغیرہ بھانپ لیتے کہ یہ
وہ آلہ جس کے ذریعے لانچ کو جام کیا گیا تھا — لی
لانچ کے ڈرائیور نے اس آلے کو کسی بے کار چیز کی طر
نکال کر پھینک دیا — تاکہ کوئی توجہ نہ دے سکے —
اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جب انھیں جزیرے
لایا گیا تھا تو اترنے سے پہلے لانچ کے انجن کو جام کر
گیا تھا — تاکہ اگر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی فرا
کر کسی طرح لانچ پر پہنچ جائیں تو بھی — لانچ لے
جا نہ سکیں — خان رحمان — آپ کو کچھ ملا —"

"ہاں کامران مرزا صاحب — ایک چیز مجھے بھی ملی
ایک جوتا —" انھوں نے کہا اور جوتا ان کے سامنے رکھ
سب مسکرا دیے — آفتاب بولے بغیر نہ رہ سکا:

"لیکن انکل — بھلا ہم جوتے سے کیا فائدہ اٹھا

"بھئی — جو مجھے ملا — اٹھا لایا — یہ میں نے سوچا
کہ اس سے کوئی فائدہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔" انھوں
نے جھینپ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں خان رحمان صاحب — آپ نے اچھا کیا —
کہنے کا برا نہ مانیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے اور
ان انھوں نے آفتاب کو گھورا بھی — آفتاب نے
انے کی ایکٹنگ کی اور دوسرے مسکرا پڑے —

"اب صرف آپ رہ گئے انسپکٹر کامران مرزا — آپ کو
ملی:"

"ہاں ہاں! ایک چیز مجھے بھی مل ہی گئی —" وہ مسکرائے
یب میں ہاتھ ڈال کر ایک مڑا تڑا کاغذ نکال لیا —

"یہ تو صرف ایک کاغذ ہے انکل:"

"ہاں بھئی — صرف ایک کاغذ — اب ہم باری باری ان
چیزوں کا جائزہ لیتے ہیں — جو ہمیں ملی ہیں اور ان
کن فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں — کیا
ہے:"

"بہت ٹھیک —" آفتاب بولا۔

"ب سے پہلے آفتاب کو ملنے والے سگریٹ کے ٹکڑے پر
جائے — سگریٹ کا یہ ٹکڑا اس وقت ہمارے کسی
یں آ سکتا — لیکن ہم اس کو اپنے پاس محفوظ رکھیں
ہو سکتا ہے، یہ ٹکڑا ہمارے کسی وقت کام آ جائے —
کے بعد باری آتی ہے، آصف کے اخروٹ کی —

ہم نے اس جزیرے کا بغور جائزہ لیا ہے — اس پر
کا کوئی درخت نہیں ہے — اخروٹ چھوٹا سا
بڑا ہونے سے پہلے ہی اسے درخت پر سے توڑ لیا
یہ ابھی کچا اور نرم ہے — اس بات سے آپ بھی
کوئی کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔"

یہ کہ کر انھوں نے سب کی طرف دیکھا — ال
نفی میں سر ہلا دیے۔ اس پر وہ مسکرائے اور بولے
"لیکن میں ایک دلچسپ بات آپ لوگوں کو
ایک خاص علاقہ ہمارے ملک کی سرحدوں کے پاس
ہے — وہاں اخروٹ کے درخت بکثرت ہیں — وہاں
لوگ اخروٹ کھانے کے بہت شوقین بھی ہیں، لیکن
کا اخروٹ کھانے کا طریقہ نیا ہے — وہ درخت
کچے اخروٹ اتار کر کھا لیتے ہیں — اخروٹ سے اس طرح
ایک عدد نقصان بھی ہوتا ہے — اور وہ یہ کہ
سر کی جلد سرخ اور سفید ہو جاتی ہے —"

"لیکن یہ تفصیل ہمارے کس کام کی انکل؟"

"اس علاقے کا کوئی آدمی ان لوگوں میں شامل
اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس علاقے
لے جایا گیا ہو۔"

اوہ — اور اس علاقے کا نام کیا ہے؟"

ہم اس کو آزاد ریاست کہتے ہیں — یہ ریاست اگرچہ
ہے — اور پوری طرح ہمارے ملک کے ساتھ ملی ہوئی
— ایک طرح سے اسے ہمارے ملک کا ہی حصہ سمجھا جاتا
— اس کے ساتھ ہی ریاست جوس میر ہے — یہ ریاست
ہے — لیکن اس ریاست کو ہمارے دشمن ملک
ان کا حصہ سمجھا جاتا ہے — آزاد ریاست میں تو
— ملک کے خلاف اس قسم کی کوئی سازش نہیں کی جا
— البتہ ریاست جوس میر سے ہم کوئی اچھی امید نہیں
سکتے — اس طرح یہ اخروٹ بہت زیادہ اہم ہے۔" یہاں
کر وہ خاموش ہو گئے۔

وہ مارا۔" آصف نے پُرجوش انداز میں کہا۔

اتنی جلدی نہ کرو —" آفتاب نے جھنجلا کر کہا۔

ہیں — جل گئے — شاید اس لیے کہ تمھارا لایا ہوا ٹکڑا
کسی کام نہیں آیا۔" آصف نے جھنجلا کر کہا۔

"جان نے ہرگز یہ بات نہیں کہی — بلکہ انھوں نے کہا
بعد میں وہ ٹکڑا کام کی چیز ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے — آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں،
نہیں لڑائی کے بہت مواقع دے گا۔" انھوں نے

بڑا سا منہ بنا کر کہا اور پھر فرحت کی طرف مڑے :

"خون کے تازہ قطرات وغیرہ سے یہ بات ثابت ہے
ساتھی یہاں تک بخیریت پہنچے ہیں ــــ یہاں سے روانہ ہو
کے وقت ان کی کیا حالت تھی ــــ کچھ نہیں کہا جا سکتا
یہی ہے کہ وہ زندہ سلامت ہیں ــــ پروفیسر صاحب
والے آلے کے بارے میں ہم بات کر ہی چکے ہیں ــــ
ہمارے سامنے جوتا ہے ، جو خان صاحب کو ملا ہے
جوتے نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے
میں اس جوتے اور اخروٹ کو ایک جگہ رکھ کر غور کیا
تو بہت ہی عجیب بات سامنے آتی ہے ــــ اب آپ لوگ
ہو رہے ہیں ــــ لیکن بات یہی ہے ــــ دیکھیے ــــ میں نے
دونوں کو ایک جگہ رکھ دیا ــــ جن علاقے میں یہ اخروٹ
ہیں ــــ اس علاقے میں بالکل ایسے جوتے پہنے جاتے ہیں۔"

"اوہ ! ــــ کیا آپ کا اشارہ جوس میر کی طرف ہے۔"

"ہاں ! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس مرتبہ ہماری منزل
جوس میر ہی ہے ــــ لیکن یہ ہمارے لیے ایک دشمن ریاست
"کوئی بات نہیں ــــ ہم تو دشمن ملکوں میں ہو آئے
یہ تو پھر ایک ریاست ہے۔"

"ان معنوں میں ہم اسے ریاست خیال نہیں کر سکتے

کی پشت پر پورا نشان جان ہے۔"

"اللہ مالک ہے ــــ" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اور وہ تو رہ ہی گیا ــــ آپ کا مڑا تڑا کاغذ۔" آفتاب
انداز میں بولا۔

"اوہ ہاں ــــ وہ کاغذ ــــ لیجیے ــــ میں آپ لوگوں کے سامنے
سلوٹیں دور کیے دیتا ہوں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا اور
کاغذ کو سیدھا کرنے لگے ــــ آخر کاغذ قدرے صاف ہو
ــــ اس پر کچھ الفاظ درج تھے ــــ انھوں نے پڑھا، لکھا تھا:

"انسپکٹر کامران مرزا !
آپ ہمارے بعد اس جزیرے پر ضرور آئیں گے ــــ
لہذا میں نے سوچا پیغام چھوڑ جاؤں ــــ شاید ہماری
منزل ریاست جوس میر ہے ــــ
انسپکٹر جمشید"

شاندار دشمن

تین دن کے مسلسل سفر کے بعد ان کی لانچ آخر ساحل سے جا لگی — شیخ بھوٹانی نے فخر کے عالم میں کہا،

"انسپکٹر جمشید — تم پوری طرح ناکام ہو گئے — ہم جوس میر پہنچ گئے — ریاست کا شاہ پہلے ہی ہمارے تمھارے بارے میں ہر بات جانتا ہے — لہذا اپنے شایان قید کے لیے تیار ہو جاؤ — مزے کی بات یہ کہ تم لوگ اپنے پیچھے کسی قسم کے آثار بھی نہیں چھوڑ سکے — کہ تمھاری تلاش میں نکلنے والے یہاں پہنچ سکیں لہذا یہ قید تمھاری زندگی کی آخری قید بھی ثابت ہو گی ان حالات میں میں شاہ فیاض سے ایک درخواست کروں گا تمھاری یہ درخواست منظور کی جائے گی۔ شیخ بھوٹانی اگرچہ درخواست کرنا صرف دکھاوا ہے — ورنہ بغیر کے بھی شیخ بھوٹانی یہاں سب کچھ کر سکتا ہے۔" انسپکٹر

لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب — یہ تم نے کیا کہا انسپکٹر جمشید" شاہ فیاض زور سے اچھلا۔

"اس ریاست کے اصل حکمران آپ نہیں — یہ شخص ہے — اس کی مرضی سے حکومت یہی کرتا ہے — آپ بظاہر حکمران ہیں۔ غلط تو نہیں کہہ رہا شیخ بھوٹانی؟"

"ہاں! تم بالکل غلط کہہ رہے ہو — یہ بالکل اسی قسم کی چال ہے — جس قسم کی کوشش تم مجھے اور منجو کو لڑانے کی کر چکے ہو اور اس کوشش میں تم کامیاب بھی ہو گئے — لیکن انسپکٹر جمشید منجو تو بے وقوف تھا — شاہ صاحب ذہین ہیں — یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہی اس ملک کے حکمران ہیں، لہذا آپ کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آئیں گے — کیوں شاہ — میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"بالکل نہیں — میں انسپکٹر جمشید کی چالوں کو اب خوب سمجھتا ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"خیر — شاہ فیاض اس بات کو میری چال کہہ لیں — سچی بات یہی بات، اس ریاست کا اصل حکمران شیخ بھوٹانی ہے۔ اس نے یہ سونا — دراصل شاہ فیاض کے اشارے پر نہیں — ملک شارجستان کی حکومت کے اشارے

پر اڑایا ہے، لیکن حکومت شارجستان کا پروگرام یہ تھا
حکومت بھی یہ خیال نہ کرے کہ اس معاملے میں اس کا
اس لیے شاہ فیاض کو آگے لایا گیا۔"

"نہیں — یہ غلط ہے — جھوٹ ہے — ہم سونا
ساتھ لے کر آئے ہیں اور سونا ریاست میں رہے
"بہت جلد کوئی ایسی بات سامنے آئے گی — کہ
شارجستان اس سونے کا مطالبہ پیش کر دے گی — اس
شاید شاہ کو میری بات درست معلوم ہو۔"

"ایسا وقت نہیں آئے گا — کیوں شیخ — شاہ۔"

"بالکل۔" اس نے فوراً کہا۔

لانچ کے ساحل پر لگتے ہی شاہی فوج نے
لیل سنبھال لیا تھا اور پھر شاہ انھیں ہدایات دینے لگا
سونے اور ان کے بارے میں بھی ہدایات دیں کہ
محل میں لے جایا جائے — اور پھر شیخ سے بولا۔

"تم بھی ہمارے ساتھ محل میں ہی چلو گے — اس
کے بعد ہمیں اگلے پروگرام پر بھی تو عمل کرنا ہے۔"

... پھر شاہی کاروں میں ان کا قافلہ شاہی محل کی طرف
ہوا — سڑک کے دونوں طرف فوج کا پہرہ موجود تھا
پیچھے عوام تھے — جو اپنے شاہ پر پھولوں کی پتیاں

رہے تھے — غالباً شاہ یہ اعلان کر کے ریاست سے گیا تھا کہ
عوام کی بھلائی کے لیے ایک خفیہ مشن پر روانہ ہو رہا ہے۔
انسپکٹر جمشید نے بغور شاہ کے چہرے کا جائزہ لیا تو صاف
محسوس ہوا کہ ان کی باتوں نے اس پر اثر کیا ہے — اور وہ
اب بے چین نظر آ رہا ہے — انھیں خوشی کا احساس ہوا — کیونکہ
ان میں پھوٹ ڈال دینا بہت بڑی کامیابی تھی۔

محل کے سامنے ان کا قافلہ کاروں سے اترا، ان کے پیچھے
آنے والے ٹرک سے سونا اتارا گیا، اور پھر وہ سب محل
میں داخل ہوئے — غلام دو طرف کھڑے تھے — جو ادب سے
جھکے ہوئے تھے۔

"شاہ فیاض — کیا آپ مسلمان نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے
بغیر نہ رہ سکے۔

"ہاں کیوں نہیں — میں مسلمان ہوں۔"

"یہ کیسی مسلمانی ہے — کہ تمہارے خادم تمہارے آگے
جھک رہے ہیں — اور تم انھیں اپنے سامنے جھکتے دیکھ رہے
ہو اور یہ بات تمھیں ناگوار نہیں گزر رہی۔"

"کیوں — کیا یہ گناہ ہے — کیا یہ شرک ہے۔"

"ایک مسلمان — کسی کے آگے نہیں جھکتا — بس ایک اللہ
کے آگے جھکتا ہے — احتراماً بھی نہیں جھکتا — نہ مسلمان آدمی

یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے آگے جھکیں ـــ بلکہ مسلمان تو
صرف یہ پسند کرتا ہے کہ سب لوگ اللہ کے آگے جھکیں۔"

"میرے خیال میں یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔"

"اسلام تمھارے خیال کا نام نہیں ہے ـــ وہ اللہ کا دین ہے
اور ہم تک ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے
سے پہنچا ہے ـــ لہٰذا ہم تو صرف اپنے نبیؐ کی تعلیم کے مطابق
ہی اسلام کو جانتے ہیں ـــ جو بات نبی کی تعلیم کے مطابق نہیں
ہے ـــ وہ دین میں شامل کیسے ہو سکتی ہے۔"

"یہ تم کیا باتیں لے بیٹھے ہو ـــ تمھیں تو چاہیے ـــ اس
بارے میں باتیں کرو ـــ اپنی قید کے بارے میں سوچو اور میرے
سامنے گڑگڑاؤ ـــ آزادی کی درخواست کرو۔"

"ہمیں انسانوں کے آگے گڑگڑانا نہیں آتا ـــ اللہ تعالیٰ کے
سامنے گڑگڑاتے ہیں گے۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"پتا نہیں شیخ مجونانی کس قسم کے لوگوں کو قید کر کے
لے آیا ہے۔" شاہ فیاض جھلا کر بولا۔

چلتے ہوئے وہ ہال تک پہنچ گئے ـــ یہاں بھی شاہ
فیاض کا استقبال کیا گیا ـــ اور شاہ کے ایک وزیر نے
بڑھ کر کہا:

"شارجستان کے صدر کا ایک پیغام آیا ہوا ہے ـــ پہلے

پیغام سُن لیں۔"

"ضرور ـــ کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

فوراً ہی ٹیپ ریکارڈ آن کیا گیا۔ غالباً اس کی عدم موجودگی
میں پیغام ریکارڈ کر لیا گیا تھا ـــ ٹیپ ریکارڈ پر شارجستان
کے صدر کی آواز گونجنے لگی:

"شاہ فیاض!

ہم جانتے تھے ـــ آپ اس مہم میں پوری طرح کامیاب
نہیں ہوں گے، کیونکہ شیخ مجونانی ایسے منصوبے بنانے
میں بہت ماہر ہے ـــ اور وہ ہمارا خاص آدمی ہے۔
آپ جانتے ہی ہیں ـــ اس وقت ہمارا ملک کس قدر مالی
بحران کا شکار ہے۔ ان حالات میں یہ سونا جو آپ
لے کر آئے ہیں ـــ ہمارے ملک کے کئی الجھے ہوئے
مسائل حل کر سکتا ہے ـــ آپ کو ہماری دوستی کا
واسطہ سارا سونا فوراً ہماری طرف بھیج دیں ـــ اس
کے علاوہ دوسری کوئی صورت ممکن نہیں ہو گی۔"

شاہ فیاض کا منہ دھواں ہو گیا ـــ منہ کھلا کا کھلا اور آنکھیں
پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ـــ آواز بند ہو چکی تھی، لیکن ٹیپ
ابھی تک چل رہی تھی اور کمرے میں اب صرف اس کی
آواز گونج رہی تھی ـــ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"میں نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"تم چپ رہو — یہ دو دوستوں کا معاملہ ہے۔"

"دو دوستوں کا نہیں — حاکم اور محکوم کا — آپ شارجستان کے ماتحت ہیں — اس حکومت کا ہر حکم ماننے بغیر آپ کے لیے کوئی چارہ نہیں — لہٰذا آپ اس حکومت کے غلام ہیں اور یہی میں نے کہا تھا۔"

"میں نے کہا نا — تم چپ رہو۔" شاہ فیاض نے کہا اور دھم سے ایک کرسی میں گر گیا۔

"ابھی آپ کے پاس وقت ہے — آپ اس خزانے کو بچا سکتے ہیں — اگر اب شیخ بھوٹانی کی بجائے میری بات پر عمل کریں۔"

"اور انسپکٹر جمشید کی ترکیب بالکل ویسی ہو گی — جیسی کہ اس نے مجھ کو باغی کیا تھا — یہ بات آپ سمجھ ہی رہے ہیں سر۔" شیخ بھوٹانی بولا۔

"ہاں! میں سمجھتا ہوں — ہم انسپکٹر جمشید کی کسی بات پر کان نہیں دھریں گے — اور ہم شارجستان کے صدر کا ہر حکم مانیں گے — سونا ان تک پہنچا دیا جائے۔"

"بھئی واہ — غلام ہوں تو ایسے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"خاموش — ہم اب بھی نقصان میں نہیں رہیں گے۔

یہاں کی دولت ہماری ریاست میں منتقل ہو گی اور تمہاری حکومت سے بھی ہم دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔"

"ہاں سر — آپ فکر نہ کریں — ہم ان سے بھی بہت کچھ حاصل کریں گے۔" شیخ نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے بھوٹانی — ٹھیک ہے — ان لوگوں کے لیے جس کا انتظام کیا گیا ہے — انھیں وہاں پہنچا دو — سونا وہاں پہنچا دو — ہم تھکن محسوس کر رہے ہیں — اب ذرا آرام کریں گے۔"

"ضرور سر — ضرور۔" شیخ بھوٹانی نے خوش ہو کر کہا — پھر ان کی طرف مڑ کر بولا:

"ان لوگوں کو میں اپنی نگرانی میں قید تک پہنچاؤں گا — سونا ان کے ساتھ جائے گا — اس کی طرف سے اب فکر کی ضرورت نہیں — وہ ایک خاص راستے سے لے جایا جائے گا۔"

"لیکن بھوٹانی — کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ سونا تم خود لے جاؤ — اور ان لوگوں کو فوجی نگران قید تک پہنچا دیں۔"

"نہیں سر — زیادہ ضروری کام ان کا قید میں رہنا ہے — یہ فرار ہو گئے تو سونا کھٹائی میں پڑ جائے گا۔"

"اب یہ ہماری ریاست میں ہیں — بھلا یہ یہاں کیا پڑ مار

سکیں گے" شاہ فیاض نے غرور کے عالم میں کہا۔

"آپ انھیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتے ـــ مجھے انشارجہ میں
سال تک اس قسم کے کاموں کی تربیت دی گئی ہے ـــ ا
پچھلے سالوں میں صرف ان لوگوں کی عادات اور اطوار پڑھ
ہیں اور ان سے بچاؤ کے طریقوں پر خرچ کیا گیا ہے۔"

"اوہو اچھا ـــ انشارجہ والے بھی ان کے بارے میں
قدر باخبر ہیں۔"

"نہ صرف انشارجہ ـــ بلکہ وشاس اور بیگال بھی ـــ
طاقتیں ان لوگوں کو اپنے لیے خطرہ خیال کرتی ہیں۔"

"حیرت ہے ـــ یہ تو صرف چند آدمی ہیں۔"

"یہ چند آدمی اور ان کی دوسری دو ساتھی پارٹیاں ـــ
انسپکٹر کامران مرزا پارٹی اور شوکی برادرز پارٹی ـــ جنھیں
کر ایک بہت بڑی فوج بن جاتی ہیں ـــ ہم وہ کام ایک
فوج سے نہیں لے سکتے ـــ جو کام یہ چند آدمی کر سکتے ہیں"

"لیکن میں نے تو ان کا کوئی خاص کمال نہیں دیکھا
حالانکہ بہت دیر سے یہ لوگ ہمارے ساتھ ہیں" شاہ

"آپ بھول رہے ہیں ـــ پہلی بات تو یہ کہ یہ مجھے
تربیت کا نتیجہ ہے ـــ دوسرے یہ کہ اس قدر بے بس ہو
ہوئے بھی ان لوگوں نے ایک بار کایا پلٹ دی تھی

الکل بے بس ہو کر رہ گئے تھے ـــ وہ تو آپ کی خوبی
میں وقت پر کام آگئی ـــ ورنہ اس وقت ہم ان کی
میں ہوتے اور سونا ان کے ملک کے خزانہ میں ہوتا۔"

"اوہ ہاں ـــ واقعی ـــ وہ وار ان کا بہت زبردست تھا۔"
نے کانپ کر کہا۔

"اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو قید میں رکھ لینا
ایک کارنامہ ہو گا ـــ ویسے ہم ابھی تک ان کے مقابلے
بہت کامیاب جا رہے ہیں ـــ اور اس کی وجہ یہ ہے
سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔"

"یہاں تم واقعی غلطی کر رہے ہو شیخ مجوانی" انسپکٹر
بول اٹھے۔

"کیا مطلب ـــ کونسی غلطی ـــ" شیخ مجوانی چونکا۔

"میں نہیں بتاؤں گا ـــ کہ تم سے کیا غلطی ہو چکی ہے۔"
مسکرائے۔

"مجھے الجھانے کی کوشش کر رہے ہو تم ـــ اور کوئی بات
ـــ میں ان چالوں میں آنے والا نہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے فوجیوں کو اشارہ کیا۔
انھیں ایک طرف لے جایا جانے لگا ـــ شاہ فیاض بدستور
کی طرف دیکھ رہا تھا ـــ اچانک اس نے کہا:

کیا یہ بہتر نہیں ہو گا شیخ جیوٹانی — کہ ان سے معلوم کر لیا جائے — تم سے کیا غلطی ہو چکی ہے۔"

"نہیں سر — یہ ان کی چال ہے — میں اپنے منصوبے کو بار بار چیک کر چکا ہوں — اس میں کوئی خامی نہیں ہے — نہ اب تک مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے — بس منٹو کے سلسلے میں ضرور میں نے چوٹ کھائی تھی۔"

"خیر — تم جانو — ذمے داری تو تمہاری ہے۔"

"ہاں سر — آپ فکر نہ کریں۔"

اور وہ کمرے سے نکل آئے — کمرے کا دروازہ بند ہو گیا — جس کا مطلب یہ تھا کہ شاہ کا کمرہ یہی تھا، یہیں اسے آرام کرنا تھا —

"بے چارہ شاہ — کٹھ پتلی حکمران —" فرزانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بے چارے انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے —" شیخ نے بھی اسی کے انداز میں کہا — اور پھر ہنس کر اس نے

"ویسے انسپکٹر جمشید — آج تک اس سے بڑی شکست دوچار نہیں ہوئے ہو گے تم۔"

"ہم یہ اندازے لگا کر شکستیں نہیں کھاتے کہ کون سی سب سے بڑی ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

شیخ جیوٹانی ہٹنے لگے — ان کے قدم اٹھتے رہے — اور پھر کی قید کا دروازہ سامنے آ گیا — دروازے کو دیکھ کر ہی کے دل بیٹھنے لگے — وہ بہت موٹے فولاد کی چادر کا تھا اور سو کے قریب فوجیوں نے دھکیل کر اس

"انسپکٹر جمشید — تم اور تمہارے بچے صرف دروازہ کو ہی کر دکھا دیں — یعنی بغیر تالے کے۔"

"نہیں دوسری طرف جانے دو — اس طرف جا کر زور لگا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں چلنے کی نہ سوچو — کامیاب نہیں ہو سکو گے — قدم پر نگران موجود ہیں — اگر تم اچانک ہم بھی پکڑ لو — ہم سب کو گرا بھی دو — تب بھی یہاں رار نہیں ہو سکو گے۔"

"میں نے تو صرف دروازہ کھول کر دکھانے کی بات ۔" وہ بولے۔

"— تم چاروں مل کر اس دروازے کو کھول سکو گے؟"

"کر دیکھنے میں کیا حرج ہے — تمہیں اپنے دروازے کا اندازہ ہو جائے گا اور ہمیں اپنے بازوؤں کا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ تجربہ بھی ہو جائے:" شیخ
نے کہا۔

دروازہ بند کر کے انھیں اشارہ کیا گیا۔ چاروں نے
ہاتھ دروازے پر رکھ دیے اور پیر پیچھے ہٹا کر
لگانے لگے۔ پانچ منٹ کے بعد انسپکٹر جمشید نے
لیے اور بولے:

"ہم ہی اپنی ہار مان لیتے ہیں۔"

"ہا ہا ہا۔ میں نے تو پہلے ہی کہ دیا تھا۔" اس
قہقہہ لگایا۔

"ہاں! تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

"تب پھر۔ دروازے کے دوسری طرف چلے جاؤ۔
دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ اس طرف تالا نہیں لگا
گا۔ تم میں زور ہو تو دروازہ کھول کر فرار ہو جا

"اس میں شک نہیں کہ تم بھی ایک شاندار دشمن
پیش کش پر پیش کش کر رہے ہو۔" محمود نے خوش
کر کہا۔

"یہ میری عادت ہے۔" وہ بولا۔

اور پھر دوبارہ سو آدمیوں نے مل کر دروازہ
انھیں دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا گیا۔ وہ

چلے آئے۔ دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونے لگا۔ دروازے
موٹی زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ بند کرنے کے لیے فوجی
زنجیروں کو کام میں لاتے تھے۔

دروازہ پوری طرح بند ہونے کے بعد وہ مڑے اور
سے رہ گئے۔

لاشوں کا شور

سب نے اس رقعے کے الفاظ پڑھے، پھر خان رحمان بولا:
"اگر یہ رقعہ آپ کو نہ ملتا تو کیا ہوتا؟"

"اس صورت میں ہم ریاست جوس میر کے بارے میں
لگا لیتے۔ اس لیے کہ باقی جو چیزیں ملی ہیں۔ ان میں
چیزیں ایسی ہیں جو اس ریاست کی طرف اشارہ کر رہی
ایک اخروٹ۔ دوسرے خان رحمان کو ملنے والا جوتا۔"

"ٹھیک۔ کیا مطلب۔ جوتا۔" خان رحمان حیران

"ہاں خان صاحب۔ جوتا جو آپ لائے ہیں، مگر
ہے۔ یہ خاص قسم کا جوتا ہے۔ اور ایسے جوتے ریاست
جوس میر میں ہی پہنے جاتے ہیں۔ آزاد ریاست میں
پہنے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں قدرے فرق ہوتا ہے۔
بھی۔ اس بار ہمارے دشمن آزاد ریاست کے نہیں
ریاست جوس میر کے ہی ہو سکتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ ہماری منزل یہی ریاست ہے۔ اور
ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"ہاں! بالکل۔ لیکن ہمیں اس ریاست تک جانے کا سمندری
معلوم نہیں۔"

"اور میں جو آپ کے ساتھ ہوں۔" ملاح نے کہا۔

"ارے ہاں! ہم آپ کو تو بھول ہی گئے۔ تو آپ
ریاست جوس میر تک جانے کا راستا جانتے ہیں۔"

"میری تو ساری زندگی سمندر میں ہی گزر گئی ہے۔"
مسکرایا۔

"یہ بہت اچھی بات ہو گئی۔ وقت ضائع نہیں ہو گا۔"

آدھ گھنٹے بعد وہ اس جزیرے سے رخصت ہو رہے
تھے۔ اب ان پر ایک جوش کی کیفیت طاری تھی۔ کیوں کہ
منزل کا سراغ جو مل گیا تھا۔ ان کی لانچ ہر قسم کے سامان
سے لیس تھی۔ لہذا رکے بغیر ان کا سفر جاری رہا۔ یہاں
تک کہ مسلسل تین دن کے سفر کے بعد وہ ریاست جوس میر
کے ساحل کے نزدیک پہنچ گئے۔ لانچ کو گہرے سمندر میں
روک لیا گیا۔ ابھی وہ ساحل پر اس قدر دور تھے کہ ساحل نظر
نہیں آ رہا تھا۔ اور رکے بھی اس طرف تھے۔ جس طرف
سنسان پڑا تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے آپ لوگوں کا؟" ملاح نے پوچھا۔
"لانچ ایسے ساحل پہ لے چلیں — جس پہ ہمارا سامنا
سے نہ ہو پائے۔"
"یہ بہت مشکل ہے — ریاست جزیرے والے بہت ہو
رہتے ہیں —" خان رحمان بولے۔
"تب پھر — ریاست میں داخل ہونے کی کیا صورت ہے
عمودی چٹانیں — ان چٹانوں کی طرف پہرہ نہیں ہوتا —
پہ چڑھنا بھی تو ممکن نہیں ہے — ہمارے پاس سامان
ہے۔" ملاح نے جلدی جلدی کہا۔
"تب پھر — ہم رات ہونے کا انتظار کریں گے — اور
ساحل پہ اتریں گے — ہمارے راستے میں جو فوجی آئیں گے
ان سے ٹکرا جائیں گے۔"
"لیکن ابا جان — ٹکرا جانے سے تو شور ہو گا اور پھر
کا شور الگ رہا۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔
"لاشوں کا شور — دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرحت
اسے گھورا۔
"تم سمجھیں نہیں فرحت — اس کا مطلب ہے — صبح کو
ملنے پہ جو شور مچے گا، وہ الگ رہا۔"
"بہت خوب — روز بروز سمجھ دار ہوتے جا رہے

اب نے خوش ہو کر کہا۔
"یہ بات طے رہی — کہ اب ہم رات کو ساحل کی طرف چلیں
— سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت تک یہیں رکے رہیں؟"
"نہیں — یہاں تو ہمیں دیکھ لیا جائے گا —" ملاح بولا۔
"بلکہ میں تو کہتا ہوں — اب تک دیکھ بھی لیا گیا ہے —
فوجی لانچ ہماری طرف بڑھ رہی ہے۔" خان رحمان نے
اپنی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔
"ارے باپ رے — پہلے معرکے کا وقت آ گیا۔" آفتاب
اٹھا گیا۔
"معرکوں سے ڈرنے والے کب سے ہو گئے تم۔" آصف
منہ بنایا۔
"بھئی نئی نئی ریاست ہے نا — اس لیے — ذرا اس سے
اس بہت واقفیت ہو لے۔" آفتاب مسکرایا۔
"کس سے واقفیت ہو لے۔" پروفیسر داؤد بے دھیانی کے
عالم میں بولے۔
"جی ریاست صاحبہ سے۔"
"نہ ہوا اس وقت محمود — ضرور کر اٹھتا، وحشت تیرے کی۔"
بولی۔
"چلو — اس کی کمی تم نے جو پوری کر دی۔" آصف بولا۔

"ہمیں مقابلے کی تیاری شروع کر دینی چاہیے — فی الحال ہماری طرف ایک لانچ ہی آ رہی ہے — لیکن ان کی تعداد [illegible] بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"بلکہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تعداد زیادہ ہو چکی ہے۔"

"تب پھر — میں سب سے پہلے اس ملاح کو سمندر میں [illegible] رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے ملاح کو اچانک ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

"ارے ارے — یہ کیا؟"

"جلدی بتاؤ — تم ہمیں سیدھا یہاں تک کیوں [illegible] کیا تم نہیں جانتے تھے — کہ یہاں ہمیں گھیر لیا جائے گا؟"

"نہیں — مجھے تو اس بات کی ایک فیصد بھی امید [illegible] تھی۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"جھوٹ کہتے ہو بھئی — تم شروع سے پراسرار نظر [illegible] ہو — میں تمہاری ایک ایک حرکت نوٹ کرتا رہا ہوں [illegible] تمہاری جیب میں ضرور کوئی آلہ ہے — اس آلے کے [illegible] تم نے یہاں موجود کچھ لوگوں کو اشارات دیے ہیں — [illegible] ہے — اب ایک فوجی لانچ ہماری طرف سے بڑھ رہی [illegible] جیسا کہ اصولی طور پر تمہیں ایسی جگہ لانچ کو لے جانا [illegible] جہاں دور دور تک کسی فوجی لانچ کے نشانات موجود [illegible]

اب کیا خیال ہے — اپنا جرم تسلیم کرتے ہو — میں تمہیں سمندر میں دھکا دے دوں؟"

"ٹھیک ہے — میں اس جرم کو مانتا — میں غدار نہیں ہوں — اب مجھے گرا دیں سمندر میں۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں کہ ایک ملاح کو سمندر میں دھکا [illegible] دوں — تم تیر کر دشمن لانچ پر سوار ہو جاؤ گے — لہٰذا میں تمہیں گولی ماروں گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے اسے نیچے [illegible] اور پستول نکال لیا۔

"لانچ نزدیک آ گئی ہے۔" آصف چلایا۔

"خان رحمان — آپ مقابلے کے لیے تیار ہیں۔" انسپکٹر کامران [illegible] نے کہا۔

"بالکل — آپ فکر نہ کریں۔"

"تو پھر میں اس شخص کو گولی مار رہا ہوں — ہمیں اس [illegible] ضرورت نہیں — اگر اسے زندہ رکھا گیا تو یہ ضرور ڈنگ [illegible] دے گا۔"

"ہوا جو کچھ۔" فرحت نے منہ بنایا۔

"ن — نہیں — نہیں — آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"اچھا — تو پھر جیب میں سے وہ چیز نکالو — جو تمہاری [illegible] میں ہے۔"

"نہیں، اس چیز کا تعلق اس مہم سے نہیں ہے"
"دیکھے بغیر ہم نہیں رہ سکتے"

آخر اس نے جیب سے کوئی چیز نکال کر ان کے سامنے رکھ دی — انھوں نے دیکھا — وہ ایک ٹرانسمیٹر تھا۔

"ہوں — تم اس کے ذریعے اشارے دیتے رہے ہو گے کہ ہم کہاں ہیں — گویا شروع سے ہی ہم پر نظر رکھی گئی۔ افسوس — روانہ ہونے سے پہلے ہم نے تم پر توجہ نہیں دی۔ خیر — اب تم تو جاؤ"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے فائر کر دیا — ساتھ ہی اسے سمندر میں دھکا دے دیا —

"لانچ نزدیک آ گئی ہے انکل — اور ہمارے پیچھے بھی ایک عدد لانچ موجود ہے"

"گویا ہم دو طرف سے گھیر لیے گئے ہیں — خیر کوئی بات نہیں — ہم بھی کوئی انتظام کر کے ہی چلے ہیں"

انھوں نے ایک بٹن دبایا — لانچ شروع سے وہی کام کرتے رہے تھے — لانچ نے اوپر فوراً شیشے کا ایک خول چڑھتا نظر آیا — اور پھر وہ پانی میں غوطہ لگا گئی — ساتھ ہی سمندر میں انھوں نے تیر کی طرح ایک طرف موڑ دی — لانچ بلا کی رفتار سے اس سمت میں گئی — اور بہت دور جا کر ابھری — دونوں لانچیں مختلف سمتوں میں اور بہت دور نکل چکی تھیں — جونہی انھوں نے لانچ کو ابھرتے دیکھا، اپنا رخ پھر اس کی طرف موڑ دیا، لیکن اس وقت تک انسپکٹر کامران لانچ کو پھر غوطہ دے چکے تھے۔

"اسے کہتے ہیں لانچوں کی آنکھ مچولی" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن بھئی کب تک — یہ لوگ اب تار پیڈو استعمال کریں گے" پروفیسر داؤد بولے۔

"فکر کی ضرورت نہیں پروفیسر صاحب — ہماری لانچ بھی کوئی معمولی لانچ نہیں ہے — تار پیڈو اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا"

"اوہو اچھا — بھئی واہ — پھر تو مزا آ گیا"

"مزا اس وقت آئے گا جب ہم اپنے گم شدہ ساتھیوں سے ملیں گے"

اچانک کوئی زبردست چیز لانچ سے ٹکرائی — لانچ پانی میں بہت زور سے اچھلی، لیکن پھر درست حالت میں آ گئی — یہ تار پیڈو مارا گیا تھا —

"آخر ہم کب تک ان کا مقابلہ کر سکیں گے — اس پر تو غور کرنا پڑے گا کامران مرزا" پروفیسر داؤد بولے۔

تب پھر گرفتاری دے دیتے ہیں — خود ہی اپنے ساتھ
پہنچ جائیں گے۔" فرحت نے تجویز پیش کی۔

"میں جانتا ہوں فرحت — ان لوگوں سے جا ملنے کی
فوری ترکیب ہے — لیکن میں اس ترکیب پر عمل نہیں کروں
گا۔" "جی — وہ کیوں؟" فرحت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس لیے کہ — کہیں ہم بھی ان کے ساتھ پھنس کر نہ رہ
جائیں — حالات خطرناک ہیں — آخر انسپکٹر جمشید جیسا آدمی
تک خود کو ان کے چنگل سے نکال کیوں نہیں سکا — اس کا مطلب
یہ ہے کہ ان کے انتظامات اس بار ہمارے اندازوں سے
بہت زیادہ ہیں اور انھوں نے ان کی کوئی پیش نہ جانے
نہیں دی۔"

"میرا بھی بالکل یہی خیال ہے — انسپکٹر جمشید نے اس
دراصل [illegible] کو کوئی اہمیت نہیں دی ہو گی — لیکن
[illegible] خاص مجرم ہے — بس وہ لوگ اس کے جال میں
چلے گئے — اب اگر ہم بھی خود کو ان کے حوالے کر دیں
تو ہم بھی پھنس جائیں گے۔"

"ہوں — بات دل کو لگتی ہے — اب سوال یہ ہے کہ ان
لانچوں سے کس طرح بچا جائے، تھوڑی دیر بعد مقابلے پر
بے شمار لانچیں آ جائیں گی — بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بحری

کر دے — ان حالات میں ہم کسی طرح محفوظ رہ سکیں گے۔"
"یہ سب اس غدار ملاح کی وجہ سے ہوا، ورنہ ان لوگوں کو
کانوں کان خبر نہ ہوتی — خیر میں اب ترکیب کرتا ہوں —" یہ
کہہ کر وہ لانچ کو مزید گہرائی میں لے گئے — اور اس کا رخ موڑ
دیا۔ لانچ تیر کی طرح آگے بڑھنے لگی — وہ رکے بغیر چلتے رہے۔
مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور ان کے دائیں بائیں اور اوپر
سے گزر رہے تھے — عجیب سماں تھا — انسپکٹر کامران مرزا
کی نظریں گھڑی پر جمی تھیں، ٹھیک تین گھنٹے بعد انھوں نے
بٹن دبایا اور لانچ اوپر اٹھنے لگے — سطح پر پہنچ کر
انھوں نے چاروں طرف دیکھا — سمندر دور دور تک صاف
تھا — کسی لانچ کا نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔
"اس وقت ہم اپنے ملک کی سمندری حدود میں ہیں۔"
"— یہ کیا انکل — ہم یہاں کیوں آ گئے؟" آصف گھبرا گیا۔
"ان لانچوں سے نجات حاصل کرنے کا بس یہی طریقہ تھا۔
پھر وہاں جائیں گے — لیکن اس بار غدار ملاح ہمارے ساتھ
نہیں ہو گا۔" وہ مسکرائے۔

"اور ہمیں عمودی چٹانوں کی طرف جانا ہو گا؟"
"ہاں! اس کے سوا ہمارے پاس کوئی راستا نہیں ہے۔"
وہ بولے۔

ایک بار پھر ان کا سفر شروع ہوا ۔ اس بار سفر ساڑھے تین
جاری رہا — یہاں تک کہ وہ عمودی چٹانوں تک پہنچ گئے ۔
نے دیکھا — سامنے بالکل سیدھی چٹانیں کھڑی تھیں — صاف
ہے — کسی سامان کے بغیر ان چٹانوں پر چڑھنا کسی طرح
ممکن نہیں تھا — چٹانوں کے عین نیچے پہنچ کر انھوں نے
پچھلے حصے سے کوہ پیمائی کا سامان نکالا — یہ مضبوط رسیاں، کیلیں
ہتھوڑے تھے — ہتھوڑوں کی مدد سے کیلوں کو چٹانوں میں
کر ایک ایک قدم وہ اوپر چڑھنے لگے — یہ سفر
سفر تھا — ایک ذرا سا پاؤں کسی کا پھسل جاتا — یا ہاتھ
سے ہاتھ چھوٹ جاتا — تو بچنا محال تھا — لیکن ان پر ایک
سوار تھی — اور پھر کوہ پیمائی ان کا پسندیدہ کھیل تھا —
سے پہلے بھی وہ اس قسم کے کام کرتے رہے تھے —
چڑھتے چلے گئے — یہاں تک کہ ساڑھے گھنٹے کی مسلسل
انھیں چٹانوں کی چوٹیوں پر لے آئی — چوٹیوں پر ہموار
دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی — اس پر لیٹ کر
کچھ آرام کر سکتے تھے — ان کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا —
نیچے اترنے کا کام باقی تھا — آدھ گھنٹے تک آرام کرنے
بعد انھوں نے چوٹی پر ہی نماز ادا کی اور پھر سمندر کی
سے رسّے کھینچ کر اس طرف لٹکا دیے — اس طرح

معاملہ آسان ہو گیا — نیچے اترنے سے پہلے انھوں نے
طرف کی چٹانوں کا جائزہ لے لیا تھا — چٹانیں دور دور
سنسان تھیں — ان پر کسی آبادی کا نام و نشان نہیں تھا،
ان بھی بالکل بنجر تھیں — کوئی آبادی اختیار کرتا بھی کیسے۔
"ہم اب دشمن ریاست میں موجود ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"دشمن ریاست — بھئی واہ — یہ تو کسی ناول کا نام ہو
ہے۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔
"ہاں! ہو سکتا ہے — لیکن تم فاروق نہیں ہو۔" فرحت جل گئی۔
"تو پھر — اس سے کیا ہوتا ہے۔" آصف مسکرایا۔
"آصف تم — اس کا ساتھ دو گے:"
"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے منہ بنایا۔
"تم ساتھ دو نا دو — میں تمھیں ساتھ دینے پر مجبور کر دوں
ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے نئی بات کہی۔
"جی — کیا مطلب؟"
"تم تینوں کو شہر جا کر سن گن لینا ہو گی — ہمارے ساتھیوں
بارے میں کیا خبریں ہیں — تارپیڈو مارنے والے کے
بیانات میں کیا بیانات شائع ہوئے ہیں؟"
"ہمیں پہچان نہیں لیا جائے گا۔" آصف نے خوف ظاہر کیا۔
"نہیں — پہلی بات تو یہ کہ ہم پہلے ہی بچے میک اپ میں

ہیں۔ دوسری یہ کہ اس ریاست کے لوگوں کے نقش و نگار ہمارے
ملک کے لوگوں جیسے ہی ہیں۔ بس تم آوارہ قسم کے لوگوں
کی ایکٹنگ کرنا۔" انھوں نے کہا۔

"اور اگر آوارہ گردی کے جرم میں دھر لیے گئے۔" آفتاب
گھبرا کر بولا۔

"کوئی بات نہیں — پھر یہ کام ہم خود کر لیں گے۔" انسپکٹر
کامران مرزا مسکرائے۔

"ج — جی — کیا مطلب؟"

"کیا مطلب — کون سا کام —" فرحت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہی — سن گن لینے والا اور خبریں جمع کرنے والا۔"

"اور — اور آپ ہمارے لیے کچھ نہیں کریں گے۔" آفتاب
نے کہا۔

. . .

"چلو تم کہتے ہو تو کر دیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"خیر — ہم چلتے ہیں — جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔"

"بھئی — اس قدر چڑھائیاں اور اترائیاں چڑھنے اترنے
کے بعد یہاں پہنچے ہیں — کچھ دیر تو آرام کر لو۔" پروفیسر
داؤد نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"انسپکٹر انکل جمشید پارٹی ہمارے ساتھ ہوتی تو ہم
آرام کرتے — لیکن ان حالات میں آرام کرنا ہمارے

نہیں۔"

"اچھا اب باتیں نہ بگھارو — دشمن خوشبو نہ پا لیں — اور چلتے
ہوئے نظر آؤ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"جملہ ایک اور محاورے تین — اگر ہم ایسا کرنے لگ جائیں
تو ادھر اعتراض شروع ہو جاتے ہیں۔" آفتاب نے
شکایت آمیز انداز میں کہا۔

اور وہ مسکرا دیے — تھوڑی دیر بعد تینوں وہاں سے رخصت
ہو گئے تھے — ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے ان دونوں کو
ساتھ لیا اور کسی مناسب ٹھکانے کی تلاش شروع کر دی۔

ان کی پارٹی چلتی رہی — یہاں تک کہ تھک کر چور ہو
گئے لیکن شہر کے آثار نظر نہ آئے۔

"شہر کے آثار اس طرح نظر نہیں آئیں گے۔" فرحت
نے منہ بنا کر کہا۔

"ارے تو بتاؤ نا — انتظار کس بات کا ہے؟"

"سڑک کا — جب تک ہم سڑک پر نہیں پہنچیں گے، بس
تب تک شہر کا سراغ نہیں ملے گا — اور ہم ابھی تک کسی
سڑک کی تلاش نہیں کر سکے۔" آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"بات معقول ہے — اور میں سوچ رہی ہوں، تمھیں معقول
بات کہنے کا ایوارڈ دلوا ہی دیا جائے۔" فرحت مسکرائی۔

"اے خبردار — میری مرضی کے بغیر یہ ایوارڈ تم اس
نہیں دلوا سکتیں۔" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" آصف نے گھبرا کر کہا۔

"میری باتیں تم سے کم معقول نہیں ہوتیں، پھر
دونوں کی باتوں کا وزن کیا جائے گا اور پھر ا
کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"کہیں اس ریاست میں آ کر ہم پاگل تو نہیں
گئے — جو اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگے ہیں۔" فرحا
حیران ہو کر کہا۔

"اور اوٹ پٹانگ باتیں ہم کب نہیں کرتے — ذرا
بتانا۔" آفتاب شوخ انداز میں مسکرایا۔

"اب تم سے کون مغز مارے۔"

"تم — اور کون مارے گا۔" آصف بول اٹھا۔

"آج تو تم بھی آفتاب کا ہی ساتھ دے رہی
ہو — خیر دیکھوں گی۔"

"لیکن میں تو سامنے کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔" آفتا
چونک کر بولا۔

"...نگ — کیا مطلب؟"

"مطلب پوچھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ تم سامنے
...لو۔"

اس نے بھی سامنے دیکھا — وہاں پولیس کی ایک گاڑی
...تھی — اور چند پولیس والے رائفلیں لیے ٹہل
...تھے —

تم چپ رہو

"یہ یہاں پولیس کہاں سے آ گئی؟" آصف نے پریشان
ہو کر کہا۔

"مل گئی ہو گی سُن گُن — یا پڑ گئی ہو گی کہیں سے"
آفتاب مسکرایا۔

"تمھیں محاورات کے علاوہ اور کچھ نہیں سوجھتا؟"
"شکر کرو، ان حالات میں محاورات تو سوجھ رہے ہیں"
فرحت بولی۔

"پہلے ان سے بات کر لیں — پھر آپس میں جھگڑ لیں
یہ لوگ تو کافی چوکنے نظر آتے ہیں۔"

"اللہ مالک ہے — کہیں ہم انکل جمشید وغیرہ کو تلاش
کرتے خود ہی نہ گم ہو جائیں۔" آفتاب گھبرا کر بولا۔
"اچھا بس — اب خاموش — وہ ہماری باتیں نہ سن لیں"
آصف نے منہ بنایا۔

"اب ہم ان کے کان تو بند کرنے سے رہے۔" آفتاب بھلا
چُپ رہنے والا تھا۔

"تو اپنی زبان کو تو لگام دے ہی سکتے ہو۔" آصف نے
ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"مشکل ہے بھئی۔" فرحت بولی۔

پولیس والے اب واقعی کافی نزدیک ہو چلے تھے — لہٰذا انھیں
خاموش ہونا ہی پڑا۔ انھوں نے دیکھا — کئی رائفلیں ان کی طرف
اٹھی ہوئی تھیں:

"بس — وہیں رُک جاؤ — اور جو ہم پوچھیں — بتاؤ۔" ایک نے
رعب دار آواز میں کہا۔

"شکر ہے — کوئی تو جاندار آواز سننے کو ملی۔" آفتاب خوش
ہو کر بولا۔

"تم لوگ کون ہو — اور اس طرف سے کیسے آ رہے ہو — جب
ہماری ریاست میں اس طرف قطعاً کوئی آبادی نہیں ہے۔"
اس نے پوچھا۔

"اگر اس طرف قطعاً کوئی آبادی نہیں ہے تو آپ لوگ یہاں
کیوں کھڑے نظر آ رہے ہیں؟" آصف نے پوچھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ یہ ہے آپ کے سوال کا جواب — میں

نے تو الٹا آپ سے سوال کر ڈالا ہے۔ اب آپ کا فرض
ہے کہ پہلے میرے سوال کا جواب دیں — پھر میں آپ کو [...]
گا۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" وہ غرایا۔

"ڈاکٹر سے چیک کرانے کے بعد ہی کچھ کہہ سکتا ہوں!"

"کیا چیز چیک کرانے کی بات کر رہے ہو؟" اس
لہجے میں حیرت تھی۔

"جس چیز کے الٹنے کی بات ہو رہی ہے۔"

"میں سمجھ گیا — تم ہمیں ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا [...]
ہو — لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

"یہ ادھر ادھر کی نہیں، سامنے کی باتیں ہیں۔" آفتاب [...]

"تم یوں نہیں مانو گے — عمران خان — ذرا ان کے
[...] کا ایک ایک بٹ تو مار دو۔"

"اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے — ایک لمبے [...]
پولیس مین نے خوش ہو کر کہا اور پھر آگے بڑھا۔

"اس کی ضرورت نہیں — ہم بتائے دیتے ہیں کہ اس [...]
سے کیوں آ رہے ہیں۔" فرحت نے گھبرا کر کہا۔

"بس — نکل گئی جان — چلو بتاؤ — شاباش —" وہی [...]
آدمی بولا۔

"ہم عموری چٹانوں کی طرف سے آ رہے ہیں۔" آصف بولا۔

"ادھر کیا کرنے گئے تھے — کوئی اس طرف جانا پسند نہیں کرتا،
تم کس طرح چلے گئے؟" وہ بولا۔

"ہم گئے نہیں — آئے ہیں۔" فرحت بولی۔

"[...] تک کوئی ان چٹانوں تک جائے گا نہیں — تو آ کس
[...] ہے۔"

"[...] لیں پھر — ہم تو آ ہی گئے ہیں۔"

"اوہ! میں سمجھ گیا — تم لوگ سمندر کے راستے آئے ہو —
ٹھیک ہے نا —" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہو سکتا ہے — جی بات درست ہو۔"

"[...] پھر تم وہی لوگ ہو — جن کے لیے ہم یہاں
[...] ہیں۔"

"ایں — کیا ہمارے استقبال کے لیے — کمال ہے۔" آفتاب
[...] گیا۔

"ہاں! ہمارے باس نے پہلے ہی یہ خیال ظاہر کر دیا تھا
[...] طرف سے کچھ لوگوں کے آنے کے امکانات ہیں — لیکن
[...] ہمارے ساتھ تو ایک نوجوان آدمی کو بھی ہونا چاہیے۔"

"[...] معلوم نہیں تھا کہ یہاں روک کر استقبال کیا جائے
[...] انھیں بھی ساتھ لے آتے۔"

"اس کا مطلب ہے — وہ ابھی وہیں ہیں — خوب —
اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے — شون خان — تم دس
لے کر چٹانوں کی طرف جاؤ — اور اسے پکڑ لاؤ۔"
"ارے باپ رے دس آدمی لگ گئے —" آفتاب کا ار
اڑانے والا تھا۔

"ہاں! ہمارے پاس یہاں آدمی کم ہیں — لیکن ضرورت
پر فوری طور پر بلوائے جا سکتے ہیں۔"
شون خان دس آدمیوں کو لے کر ان چٹانوں
چلا گیا —

"ہمارے باس کا ایک پیغام ہے تم لوگوں کے
سنا دیں۔" آفتاب نے کہا۔
"انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے — اُن کی قید میں
باس کے ہتھکنڈے ہیں انھیں بری طرح ناکامی ہوئی ہے — اور
اب آپ لوگوں کو بھی ان کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے — اس
پیغام ہے — میرے مقابلے پر جب انسپکٹر جمشید کی ایک
تو آپ لوگوں کی بھی نہیں چلے گی — لہٰذا خود کو گرفتار
لیے پیش کر دیں — تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔"
"مشورہ تو معقول ہی لگتا ہے۔" آفتاب نے دبی
میں کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو — دماغ تو نہیں چل گیا۔" آصف جھنجلا اٹھا۔
"اوہ! شاید غلط کہہ گیا — خیر میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"
"اے — تم ہمیں باتوں میں نہیں الجھا سکتے — ہم تمھاری ساری
چالاکیوں اور تمام کارستانیوں سے واقف ہیں — تم آفتاب،
آصف اور فرحت ہو نا؟"
"عجیب آدمی ہیں یہ — پہلے سے ہر بات سے واقف ہیں۔"
فرحت نے تلملا کر کہا۔
"اب کیا کیا جائے —"
"واپس دوڑ لگا دیتے ہیں۔"
"لیکن اس طرف تو پہلے ہی دس آدمیوں کا دستہ گیا
ہے — اس طرح تو ہم اس دستے کے اور ان کے درمیان
ہی آ جائیں گے۔"
"یعنی کنی کاٹ جائیں گے۔"
یہ باتیں انھوں نے بالکل دبی آواز میں کیں۔
"یہ کیا کھسر پھسر شروع کر دی —" اکھڑ آدمی بولا۔
"بات یہ ہے جناب — ہم آپس میں مشورہ کر رہے ہیں کہ
کیا کریں — خود کو آپ کے حوالے کر دیں یا —" آفتاب کہتا چلا
گیا رہا تھا کہ آصف نے اسے ٹوک دیا۔
"خبردار! آپس کی بات نہیں بتائی جائے گی۔"

"واقعی — میں تو رو میں بہہ کر یہ بتا دینے والا تھا کہ —"

آفتاب نے پھر کہنا چاہا۔

"خبردار — تم اپنی عقل اس بار گھر تو نہیں بھول آئے۔"

"کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"لے — میں کہہ چکا ہوں — تم آپس میں کوئی بات نہیں کرو گے"

"اچھا بھائی — اب نہیں کریں گے — معاف کر دو — جتنی کی ہے — بس اسی سے کام چلا لیتے ہیں — چلو بھئی — پروگرام شروع"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے واپس مڑ کر دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے — یہ کیا بھئی؟"

"اسے کہتے ہیں الٹے بانس بریلی کو — آپئے بیٹھا کیجیے۔"

"تم پاگل ہو — اس طرف پہلے ہی دس آدمی موجود ہیں — ہم سب مل کر تم لوگوں کا بھرکس نکال دیں گے۔" ان کے انچارج نے کہا۔

"کبھی کبھی ہم ایسے ہی پاگل پن کے کام کرتے ہیں — آپ کوئی خیال نہ فرمائیں۔"

"کیا کہا — خیال نہ فرمائیں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

اتنی دیر میں وہ کافی دور نکل گئے تھے — یہ دیکھ کر انچارج نے چیخ کر کہا:

"اے خبردار — وہ نکلے جا رہے ہیں — اس طرف ہمارے —

ان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کھڑے تماشا دیکھتے رہیں، اگر تم نے انھیں گرفتار کر لیا تو مزا آ جائے گا — نہ کر سکے تو بھگتنا پڑے گا۔"

وہ بلا کی رفتار سے آفتاب، آصف اور فرحت کے پیچھے لپکے، لیکن اس وقت تک وہ بہت دور نکل چکے تھے — ان کے دس ساتھیوں کے نزدیک پہنچنے والے تھے — چند لمحے بعد ہی انھوں نے ان کے قدموں کی آواز سن لی — وہ چلا کر مڑے — اور پھر ان کے منہ سے نکلا:

"ارے! یہ کیا؟"

"وہ — آپ کے انچارج اس طرف ہیں — آپ بھی وہیں پہنچ جائیے۔"

آصف جلدی سے بولا۔

"وہیں پہنچ جائیں — اے خبردار — رک جاؤ — تم ضرور ہمارے سر سے بھاگ نکلے ہو۔"

"ہاں! بھاگ تو خیر نکلے ہیں — لیکن اس میں ہمارا کیا قصور؟"

آفتاب مسکرایا۔

وہ دس ان کی طرف دوڑ پڑے — یہ تینوں بھی رکنے کی بجائے پورے زور سے ان کی طرف دوڑے — ادھر سے انچارج اور اس کے ساتھی بھاگے چلے آ رہے تھے — انھوں نے بہت کوشش کی ان سے نہ ٹکرائیں — لیکن کوشش ناکام ہو گئی — وہ بدحواسی کے

عالم میں ان سے ٹکرا گئے۔ تینوں کا تو پروگرام یہی تھا۔ دشمن بے خبری میں ٹکرائے تھے۔ لہذا، یہ فوراً سنبھل گئے وہ نہ سنبھل سکے۔ نتیجہ یہ کہ تینوں اٹھے اور تیر کی طرح چلے گئے۔

اور پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے چلے تھے لیکن بڑی پارٹی اب وہاں نظر نہیں آ رہی تھی:

"ابا جان! آپ کہاں ہیں۔" آفتاب نے بلند آواز دی۔

جواب میں انھوں نے کوئی آواز نہ سنی۔ حیران … دائیں بائیں دیکھا۔ لیکن پھر بھی وہ کہیں نظر نہ آئے۔

"آپ ہماری آواز سُن رہے ہیں؟" آصف چلایا۔

جواب میں اب بھی کوئی آواز نہ سنائی دی۔ ادھر دشمن … بالکل قریب آتے جا رہے تھے۔

"کیوں نہ پہلے دشمنوں سے نمٹ لیا جائے۔"

"وقت کا تقاضا تو یہی ہے۔"

انھوں نے آن کی آن میں چٹانوں پر پوزیشن لے لی۔ چھوٹے بڑے پتھروں کی وہاں کمی نہیں تھی۔ انھوں … انھوں نے پتھر سنبھال لیے۔ پھر جونہی دشمن ان کی زد میں … پتھر تیر کی طرح ان کے سروں کی طرف جاتے نظر آئے۔ تین … فضا میں ہل چل مچا گئیں۔ دشمن جو بے خوفی سے چلے آ …

… ٹھٹک کر رک گئے اور پھر انھوں نے پتھروں کی سمت کا اندازہ کر لیا۔ اب وہ غصے میں آ کر ان کی طرف چلے۔ لیکن تین اور پتھروں نے ان کے سروں کا رخ کیا۔ تین اور گرے۔ باقی اوسان … ہو گئے۔ اور لگے ادھر ادھر چھپنے۔ ان کے پیچھے ان کے باقی ساتھی چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے جو یہ منظر دیکھا تو … بھی چٹانوں کی اوٹ میں دبک گئے۔ اب دو طرف سے … باری شروع ہوئی۔ لیکن دشمن نیچے تھے۔ یہ لوگ اوپر … اس لیے زیادہ کارگر پتھر ان کے رہے تھے۔ دوسرے … پتھروں کی کوئی کمی تو تھی نہیں۔ کہ وہ بچا بچا کر رکھتے … اور پھینکتے چلے گئے۔ اب دشمنوں کو سوائے پیچھے رہنے کے اور … کوئی چارہ نہ رہا۔ دوسری طرف ان لوگوں نے بھی محسوس کر لیا … اب دشمن سامنے نہیں ہو رہے۔ لہذا انھوں نے بھی ہاتھ … روک لیے۔

"یوں ہم کب تک مقابلہ کریں گے۔" انھوں نے پریشان … ہو کر کہا۔

"جب تک ابا جان وغیرہ ہم تک نہیں پہنچ جاتے۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ کہاں ہیں۔" فرحت نے پریشان ہو کر کہا۔

"افسوس! اس سوال کا جواب ہمیں معلوم نہیں۔" آفتاب نے … آہ بھری۔

اچانک دشمنوں کی طرف سے چند چیخیں ابھریں۔

"ہائیں — یہ انھیں کیا ہوا — ہم تو اس وقت پتھر بھی نہیں رہے۔"

"آس پاس کہیں کوئی سانپ نہ نکل آیا ہوگا۔" فرحت نے ظاہر کیا۔

"یہ سانپ کہاں سے آ کودا؟"

"سنا ہے — چٹانوں میں سانپ ہوتے ہیں۔" فرحت مسکرائی۔

"ارے باپ رے — ہم بھی تو اس وقت چٹانوں میں ہیں۔" آفتاب بوکھلا گیا۔

"بھئی سانپ ہماری طرف نہیں، ان کی طرف نکلا ہے۔"

"تو ہماری طرف نکلتے کیا دیر لگتی ہے۔" وہ بولا۔

"اچھا بھائی — تو پھر تم ہی بتاؤ — ہم کیا کر سکتے ہیں۔" آصف نے جل کر کہا۔

"ہاں! یہ بات ہے سوچنے کی — ویسے تو صاف ظاہر ہے، ہم کچھ بھی کرنے کی پوزیشن ہی نہیں ہیں۔"

"ہوں — تو پھر — کیوں ٹرٹر کر رہے ہو۔"

"کیا کہا — میں ٹرٹر کر رہا ہوں — دماغ تو نہیں چل گیا۔" آفتاب تیز لہجے میں بولا۔

عین اسی وقت دشمنوں میں اچھل کود ہونے لگی — چیخیں

ابھریں ان کے منہ سے نکلنے لگیں۔

"آخر ان بے چاروں پر مصیبت کیا ٹوٹ پڑی ہے۔"

اچانک دشمن ان کی طرف دوڑتے نظر آئے۔

"ہائیں یہ کیا — کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم اس طرف ہیں اور بھاگ گئے ہیں۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"شاید ان کا یہی خیال ہے۔"

"تب ہمیں ان لوگوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دینا ہے۔" فرحت نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" دونوں بولے۔

انھوں نے بدحواسی کے عالم میں آتے ہوئے دشمنوں پر دھا دھند پتھراؤ شروع کر دیا — وہ بُری طرح اچھلے — کئی گر گرے — مڑنا چاہا تو اس طرف سے بھی پتھروں سے استقبال کیا — یہ دیکھ کر آفتاب چہکا:

"اوہو — اس طرف شاید ہمارے ساتھی ہیں۔"

"تب پھر انکل نے انھیں اور ہمیں آتے دیکھ لیا تھا — انھوں نے پروگرام بنایا کہ ان کی پشت پر ہو جائیں — تاکہ انھیں دو طرف سے گھیرا جا سکے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا — ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

بھئی گھبرانے کی ضرورت نہیں — یہ ہم ہیں اس طرف
شکریہ ابا جان — آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس طرف
گئے — اب یہ بے چارے ہمارے پتھروں کے مقابلے میں کیا
ٹک سکیں گے — رائفلیں ان کے ہاتھوں سے پہلے ہی
ہی نکل گئی تھیں —"

تین منٹ کی جنگ نے فیصلہ ان کے حق میں دے دیا
بچے کھچے دشمنوں نے ہاتھ اٹھا دیے — انھیں ایک طرف
کر کے ان کی ہی جیبوں سے برآمد ہونے والی رسیوں
باندھ دیا گیا —

تینوں نے جلدی جلدی روداد سنا دی — اس پر انسپکٹر
جمشید بولے :

"تب پھر — تم ایک بار پھر شہر کا رخ کرو"

"لیکن ابا جان — ہمیں شہر جا کر حالات ہی کی تو معلومات
لینا تھی — وہ تو اب ہم ان لوگوں کے ذریعے بھی
سکتے ہیں"

"ہاں ! یہ بات بھی ٹھیک ہے" وہ بولے اور ان
طرف مڑے :

"تم لوگوں نے ہم پر حملہ کیوں کیا تھا"

"ہمارے باس کا حکم"

"اور تمھارے باس کو یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی کہ ہم
اس طرف سے ریاست میں داخل ہوں گے"

"وہ اندازے لگانے کا ماہر ہے — ہم نے آج تک اس کے
اندازے غلط ثابت ہوتے نہیں دیکھے" ان میں سے ایک نے
ادب بھرے انداز میں کہا۔

"ہائیں — تب تو اس کی ملاقات انکل جمشید سے ہو جانی چاہیے"

"ملاقات کا کام ہم ابا جان سے چلا لیتے ہیں" آفتاب مسکرایا۔

"ایک منٹ بھئی — کام کی بات رہی جاتی ہے — ہاں بھئی۔
لوگوں کو کہاں قید کیا گیا ہے"

"کن لوگوں کو —"

"شیخ مجیرنانی جنھیں لے کر آیا ہے"

"ہم بھلا کیا جانیں — ان کے کام کسی کو معلوم نہیں ہوتے"

"خیر کوئی بات نہیں ، ہم معلوم کر لیں گے — آفتاب ،
آصف اور فرحت — تم شہر چلے جاؤ — واپسی پر تمھیں یہ
معلوم ہو کہ تمھارے انکل جمشید ، محمود ، فاروق اور فرزانہ کہاں
اور کس حال میں ہیں"

"جی بہتر — آپ کا حکم ہے تو چلے جاتے ہیں — ہم اپنے
ملک کے کسی شہر میں نہیں ہیں"

"یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے ، تم نے میری معلومات

میں اضافہ نہیں کیا۔"

"اچھی بات ہے — جب ہم واپس آئیں گے تو انکل

کی معلومات میں ان شاءاللہ اضافہ کر دیں گے۔" آصف بولا۔

"ہاں بالکل۔" فرحت بولی۔

اور تینوں ایک بار پھر روانہ ہو گئے — اب وہ جگہ

نظر آئی جہاں پولیس والوں سے انھوں نے ملاقات کی تھی۔

"میرا خیال ہے — ہمیں ریڈی میک اپ تو کر ہی لینا

چاہیے۔" فرحت نے تجویز پیش کی۔

دونوں نے سر ہلا دیے اور میک اپ کر لیے۔

"زندگی میں شاید پہلی بار کسی ایسے مجرم سے واسطہ پڑا

ہے — جسے ہمارے پروگرام، ہر ارادے کا پہلے سے علم

ہے — تو کیا — اسے یہ اندازہ نہیں ہو گا کہ ہم

پولیس والوں سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔" اچانک اس

نے کہا۔

"اوہ! آفتاب اوہ۔" فرحت اچھل پڑی۔

"یہ کیا بات ہوئی — میرا نام ایک بار تم نے ...

اوہ صاحبہ کا نام ورد یاد۔" آفتاب نے اسے گھورا۔

"تم نے ایک بہت ہی کام کی بات کہہ دی ...

بے خیالی میں کہہ دی۔"

"چلو جیسے بھی کہہ دی، لیکن اس صورت میں بھی تمھیں

اور میرے نام پر دینا چاہیے تھا، نہ کہ اوہ پر۔" وہ بولا۔

"گویا فرحت کو یوں کہنا چاہیے تھا آفتاب اوہ آفتاب۔"

آصف مسکرایا۔

"تم چپ رہو — تم سے کون مغز مار رہا ہے۔" وہ جھلا اٹھا۔

"ایک منٹ ٹھہرو — ہمیں یہاں ٹھہر کر آفتاب کی بات

پر غور کر لینا چاہیے — ادھر سایہ ہے۔"

تینوں بیٹھ گئے — چند سیکنڈ تک خاموش ہو کر ایک دوسرے

کی طرف دیکھتے رہے۔

"بھلا اب ہم کیا کریں گے۔"

"ہم — ہم کسی گھر میں گھس کر کوئی ہمدرد حاصل کرنے کی —

میرا مطلب ہے — کسی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش

کریں گے — ان حالات میں ہم یہی کیا کرتے ہیں۔"

"اور شیخ سہوٹانی کو شاید ہماری ایک ایک عادت زبانی

یاد ہے — لہذا اسے یہ بات بھی معلوم ہو گی۔"

"تب پھر — ہمارے لیے — کوئی ایسا گھر ضرور تیار ہو گا —

جہاں کہ اس کا کوئی آدمی موجود ہو گا — وہ ہمارا ہمدرد بن

جائے گا اور سیدھا اس کے بچھائے ہوئے جال میں لے

جائے گا — پھر ہمیں بھی وہاں پہنچا دیا جائے گا — جہاں

ہمارے ساتھی قید ہیں — لیکن ہم انھیں آزاد کرانے کے
نکلے ہیں — نہ کہ ان کے ساتھ قید ہونے — اور اگر
اس قید سے اب تک آزاد نہیں ہو سکے تو پھر یہ
بھی یاد رکھو — ہمارے ان میں شامل ہونے پر بھی آزادی
کی کوئی صورت نہیں بن سکے گی — اس لیے ہمیں جو کچھ
کرنا ہے — آزاد رہ کر کرنا ہے — کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے — ہم جس گھر میں داخل ہوں گے — اس
کا خاص خیال رکھیں گے۔"

"تو پھر چلو — مشورہ تو ہو گیا ہو۔"

تینوں اٹھے اور تیز تیز چلنے لگے — اچانک انھیں سڑک
نظر آ گئی — وہ خوش ہو گئے — ایسے میں فرحت نے کہا،
"ہوشیار ہو جاؤ۔"

"بالکل — کس سے۔" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"اس سڑک سے — میرا خیال ہے — گھر کی بجائے
سڑک کے جال میں پھانسا جائے گا۔"

"اوہ ہاں — تب پھر بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم سڑک
سے بھی لفٹ نہ لیں۔"

"وہ زبردستی ہمیں لفٹ دے دیں گے۔" آصف بولا۔

"بالکل ٹھیک — یہی کیا جائے گا — لہٰذا ہم اس سڑک

کاٹ جاتے ہیں۔"

وہ سڑک سے دور ہٹتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے — جلد ہی
انھوں نے ایک گاڑی کے گزرنے کی آواز سنی — تھوڑی دیر
بعد دوسری گاڑی گزری —

"ہم کسی گاڑی میں سوار نہیں ہوں گے —" فرحت نے فیصلہ کن
انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک — ہمیں ضرورت بھی کیا ہے — کسی گاڑی میں
سوار ہونے کی — ہمارے پیروں میں تو پہیے لگے ہوئے ہیں۔"
آفتاب نے منہ بنایا۔

سڑک اب انھیں نظر نہیں آ رہی تھی — اس کے دونوں طرف
ابھی تک چٹانوں کا سلسلہ جاری تھا — یوں لگتا تھا جیسے یہ
شہر چٹانوں کا شہر ہو۔

اچانک انھوں نے ایک آواز سنی — آواز سن کر ان کے
وہ کھڑے ہو گئے — پیشانیوں پر بل پڑ گئے — انھوں نے گھبراہٹ
کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر نظریں سڑک کی
جانب جما دیں —

سڑک پر کئی گاڑیاں رکنے کی آواز سنائی دی تھی۔

میز کی سیر

دوسری طرف شیخ جوٹانی کھڑا تھا، اس کے چہرے پر ایک
دل کش مسکراہٹ تھی:
"کیا حال ہے انسپکٹر جمشید۔"
"کم از کم تم سے یہاں ملاقات کی امید ہرگز نہیں تھی۔" انسپکٹر
جمشید نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔
"میں اپنے دشمنوں کو حیرت میں ڈال دینے کا عادی ہوں۔
میرا خیال ہے۔ اب تک حیرت کے کئی شدید جھٹکے آپ لوگ
کھا چکے ہیں۔ ابھی شاید اور بھی کھانا پڑیں گے۔"
"اگر ہماری قسمت میں لکھا ہے تو کھا لیں گے۔ ویسے
بھی بھوک زوروں کی لگی ہوئی ہے۔"
"یہاں کھانا صرف وقت پر دیا جائے گا۔ ابھی کھانے کے
وقت میں پورے دو گھنٹے باقی ہیں اور آپ لوگ اس خیال کو
بھی دل سے نکال دیں کہ جب کھانے کے لیے دروازہ کھولا

ے گا۔ اس وقت بھاگ سکیں گے۔ جی نہیں، ایسی کوئی
نہیں۔ کھانا لانے کے لیے کسی آدمی کو اندر آنے
ضرورت نہیں۔ لوہے کے دروازے کو بھی نہیں کھولا
ئے گا۔ البتہ دروازے میں ایک شے کی چوڑائی جتنا
بن جائے گا۔ اس میں سے شے اندر کر دی جائے
۔ اور بس۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔
"آپ یہ بتائیں۔ یہاں کس لیے آئے ہیں۔" محمود نے
کر کہا۔
"بھئی ہمارا استقبال کرنے۔ اتنا بھی نہیں سمجھے۔" فاروق مسکرایا۔
"فاروق کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ میں واقعی آپ کا استقبال
نے کے لیے یہاں موجود ہوں۔ آپ یہاں پورے آرام
رہیں گے۔ یہ چند کاغذات ہیں۔ ان پر دستخط کر دیں۔
کے نام ایک ایک خط لکھ دو کہ ہم یہاں خیریت سے
اور آپ کی خیریت نیک چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی
یں کہ خط لانے والوں کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔
ت کے منہ ان پر کھول دیے جائیں۔ ورنہ ہماری زندگیوں
کوئی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔"
"افسوس! ہم کسی کاغذ پر دستخط نہیں کریں گے۔ نہ کوئی
لکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ارے ارے — وہ کیوں؟" اس نے شوخ انداز میں کہا۔
"اس لیے کہ ہم جانتے ہیں — ہمارے گھر سے، خان رحمان
سے اور حکومت سے زیادہ سے زیادہ دولت کھینچنے کے بعد
تم ہمیں ختم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔"
"ہاں! بات تو یہی ہے — زندہ لوٹ کر تم نہیں جاؤ گے۔"
"ہم جائیں گے یا نہیں — یہ اللہ کو معلوم ہے — البتہ
تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تم ہم سے دستخط کیسے کراتے ہو۔"
"یہ کام تو حد درجے آسان ہے۔" اس نے بے رخی سے کہا۔
"تب پھر اس آسان کام کو کر لینا چاہیے۔"
"ضرور — ابھی کر لیتے ہیں — میں کاغذات میز پر رکھ دیتا ہوں
آپ کرسیوں پر بیٹھ جائیں — میرے ہاتھ میں ایک عدد پستول
ہے — اگر میرے دس تک گننے تک آپ لوگوں کے ہاتھ
کاغذ اور قلم کی طرف نہ بڑھے تو میں فائر کر دوں گا —
پستول کی ایک ہی شعاع تم لوگوں کا کام کر دے گی!"
انھوں نے کرسیوں اور میز کی طرف دیکھا — میز بھی موجود
تھی اور کرسیاں بھی — وہ خاموشی سے ان کی طرف بڑھے
انسپکٹر جمشید جب کرسی پر بیٹھے تو شیخ جھوٹانی بالکل ان کے
سامنے کھڑا ہو گیا — میز پر قلم اور کاغذ پہلے سے بالکل
رکھے تھے — انھوں نے ان کاغذات پر لکھی ہوئی تحریر

پڑھا اور سکتے میں رہ گئے — خان رحمان، بیگم جمشید اور آئی جی
نثار احمد کے نام ایسے خوفناک قسم کے پیغامات تھے کہ اگر
یہ ان تک پہنچ جاتے تو شاید وہ حواس باختہ ہو جاتے —
لیکن یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے تھے — ان کی زندگیوں
میں ایسے ان گنت حالات آ چکے تھے۔
انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق اور فرزانہ پر نظر ڈالی
اور بولے:
"تم تینوں کوئی دستخط نہیں کرو گے — اس لیے اٹھ کر
میری کمر کی طرف آ جاؤ — میں چاہتا ہوں — ان لمحات میں
میرے اور تمھارے درمیان کوئی نہ ہو۔"
"بہت بہتر۔"
"چال چل رہے ہو انسپکٹر۔" شیخ جھوٹانی ہنسا۔
"اچھا — بھلا کون سی چال؟"
"تم سوچ رہے ہو — لکھنے کے بہانے میز پر جھکو اور
پھر میز کو مجھ پر الٹ دو — لیکن بھبتی — تم سے تو
دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا — یہ میز تم کس طرح مجھ
پر پھینک سکو گے — جب کہ یہ بہت وزنی ہے۔"
"یہ بات ماننا پڑے گی — کہ تم واقعی ہمارے ارادوں
اور پروگراموں کے بارے میں پہلے سے اندازے لگا لیتے

ہو — لیکن ایک بات میں بھی کہہ دیتا ہوں — ایک اندازہ لگانے میں تم بھی غلطی کر بیٹھے ہو۔"

"کیا مطلب؟" شیخ جبوٹانی زور سے چونکا۔

اور اس کے ساتھ ہی لوہے کی میز اس پر جا پڑی — انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا زور بیک وقت لگایا تھا — دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوا جیسے کوئی لکڑی کی میز کسی پہلوان نما آدمی نے اچھال دی ہو۔ میز کا وزنی دھکا اچانک جو شیخ جبوٹانی کو لگا — وہ دھڑام سے گرا اور میز اس پر گری — ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے چھلانگ لگا دی — اور میز کو پکڑ لیا۔

"اب تم اس میز کو اپنے جسم پر سے ہٹا کر دکھا دو — تو بات ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بہت خوب — مار لیا — یہ ہوئی بات۔" تینوں بچوں کی طرح چلا اٹھے — ان کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے تھے۔

"بھئی — اس کی ضرورت نہیں — کام کا وقت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"آپ جو حکم فرمائیں۔"

"اس میز پر آ جاؤ تم بھی — ذرا میز کی سیر کر لو۔"

"یہ تو اور بھی پُرلطف بات ہو گی۔"

"ابھی اس سے بھی زیادہ پُرلطف باتیں یہاں ہونے والی ہیں — بس تم دیکھتے جاؤ۔"

"جی بہتر — آپ کہتے ہیں تو دیکھتے جائیں گے — ہمارا کیا جاتا ہے۔" فاروق نے کہا اور تینوں میز پر چڑھ گئے۔

"شیخ صاحب — آپ کا کیا حال ہے؟"

"میں خیریت سے ہوں — اور تمہاری اس کوشش پر ہنس رہا ہوں۔" اس نے واقعی ہنس کر کہا — اگرچہ لوہے کی ایک وزنی میز کے نیچے دبا ہوا تھا اور محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اس پر تھے —

"میاں تم سے اندازہ لگانے میں غلطی ہوئی یا نہیں؟"

"ہاں واقعی۔"

"اب دوسری غلطی سن لو — تمہارے پاس جو پستول ہے — تم اس کی مدد سے بھی تو یہ دروازہ کھول سکتے ہیں — کیا اس پستول کی شعاع ہمارے لیے ایک عدد خلا دروازے میں نہیں بنا سکے گی؟"

شیخ جبوٹانی کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا — شاید یہ بات سن کر اس پر سکتہ طاری ہو گیا تھا —

"اور ابا جان — جس وقت مسٹر شیخ جبوٹانی ہمیں یہاں سے جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اس وقت

ان کا کیا حال ہو گا؟"

"ہو گا کیا — بس اپنے بال نوچیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"خیر ایسا تو نہیں ہو گا۔" شیخ بھوٹانی نے مشکل سے کہا۔

"کیا نہیں ہو گا؟"

"آپ لوگ یہاں سے نکل تو نہیں سکیں گے — بات صرف اتنی نہیں کہ اس قید خانے کا دروازہ نہیں کھل سکتا — بلکہ اس کے اردگرد پہرہ بھی تو موجود ہے؟"

"اتفاق سے ہم لوگ عقل سے پیدل نہیں ہیں — اب یہ کام کسی ڈھنگ سے کریں گے — فاروق تم اپنی جیب سے ریشم کی ڈوری نکال سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں ابا جان۔"

"لیکن اس میں یہ حضرت کتنی منٹ لگائیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"خیر — کئی منٹ تو نہیں — ہاں ایک آدھ منٹ ضرور لگ جائے گا۔" فاروق نے یہ کہتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈال دیا — تیسری کوشش میں ریشم کی ڈوری نکل ہی آئی — اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنے خاص انداز سے شیخ بھوٹانی کو پیچھے کی اس میز کے ساتھ ہی باندھ دیا —

"شیخ صاحب کا اور اس میز کا تو چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ایک اور ترکیب ابا جان — اگر آپ اپنے اوپر شیخ بھوٹانی کا میک اپ کر لیں تو سارے کام ہی سیدھے ہو جائیں گے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"اوہ — واقعی — یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی — اب اسے میز کے نیچے سے نکال کر کرسی پر بٹھانا ہو گا — اگر نہیں، میں اپنا میک اپ اس کے چہرے پر کر دیتا ہوں۔"

"واہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

شیخ کو کرسی پر بٹھا دیا گیا — اس کے چہرے سے فخر اور غرور اب غائب ہو چکا تھا — اور ان کی جگہ پریشانی اور الجھن نے لے لی تھی — انھوں نے بہت تیزی سے اپنا کام شروع کر دیا — پہلے انھوں نے اپنے چہرے پر بھوٹانی کا میک اپ کیا، پھر اس کے چہرے پر میک اپ کیا — پستول اپنے ہاتھ میں لیا اور دروازے کے پاس پہنچے۔

"نہیں! یہ غلط ہے۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

"جی — کیا غلط ہے؟"

"شیخ بھوٹانی قید کے اندر ہمیں موجود ملا ہے — اس کا مطلب ہے — یہ حضرت کسی اور راستے سے قید خانے میں آئے ہیں —

ہمیں اس راستے کی بجائے اس راستے سے جانا چاہیے۔ اس طرح
پہرے داروں کو شاید کانوں کان خبر نہ ہو سکے۔"

ادھر شیخ بھوٹانی کو ایک اور جھٹکا لگا۔ اس کی آنکھوں
میں حیرت کے چراغ جل اٹھے۔

"کیوں شیخ۔ وہ راستا کون سا ہے؟"

"خود کیوں تلاش نہیں کر لیتے۔" اس کے لہجے میں پہلے
سے زیادہ جھنجلاہٹ تھی۔

"ضرور۔ ہم یہ بھی کر گزریں گے، لیکن تمھیں کوئی فائدہ
نہیں ہو گا۔"

"یہ میری ریاست ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس جگہ
فائدہ اٹھا سکتا ہوں اور کس جگہ نقصان۔" وہ بولا۔

"لیکن تمھیں معلوم نہیں تھا کہ اس قید خانے میں چوٹ
کھا جاؤ گے۔"

"ہاں! انسپکٹر جمشید کی طاقت کا اندازہ لگانے میں ضرور مجھ سے
غلطی ہو گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بندھا ہوا نظر آ
رہا ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔

"۔۔ قید خانے سے نکلنے کا راستا کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔ وہ
ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میری زبان سے نہیں اگلوا سکو گے۔ چاہے تم

کر لو۔"

"اب ہمارے پاس تجربہ کرنے کا وقت کہاں ہے۔" انھوں
نے مایوس ہو کر کہا۔

"تو پھر جس کام کا وقت ہے۔ وہ کر لو۔ میرا دماغ
تو نہ چاٹو۔"

"آؤ بھئی۔ راستا ہمیں خود تلاش کرنا پڑے گا۔ ہماری
کوئی مدد نہیں کرے گا۔"

انھوں نے قید خانے سے نکلنے کا خفیہ راستا تلاش
کرنے کی کوشش شروع کی۔ چاروں اپنی تمام صلاحیتیں
آزما کر تھک گئے۔ لیکن راستا نہ مل سکا۔

"اب کیا کریں؟"

"صدر دروازہ اس شعاع کے ذریعے کٹ سکتا ہے۔"

"تو پھر چلیے۔ ایسا ہی کیے لیتے ہیں۔"

وہ دروازے پر آئے۔ انھوں نے ایک جگہ پستول کی
شعاع فائر کی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا، ساتھ ہی شیخ بھوٹانی
نے قہقہہ لگایا:

"بھئی واہ! اسے کہتے ہیں کامیابی۔"

عین اسی وقت ٹوں ٹوں کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔
شیخ بھوٹانی زور سے چونکا۔ ادھر انھوں نے اس پر نظریں

جما دیں "

"اب اگر تم نے یہ پیغام نہ سنا تو جانتے ہو کیا ہو گا۔ میرے ماتحت ہوشیار ہو جائیں گے۔ وہ جان جائیں گے کہ میں قید کے اندر کسی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے — تم پیغام سن لو۔"

"کیسے سن لوں — ریسیونگ سیٹ تو میری گھڑی میں فٹ ہے — اور میرے ہاتھ پیچھے کی طرف ہیں — پہلے میرے ہاتھ کھول دیں — پھر میں ہاتھ کو منہ کے قریب لاؤں گا تو پیغام سنا جائے گا۔"

"شکریہ مسٹر شیخ بھوٹانی — میں آپ کا ہاتھ نہیں کھول سکتا۔ ہاں گھڑی کھول کر تمہارے منہ کے قریب کر سکتا ہوں۔"

"چلیے یونہی سہی۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو پھر — ابھی لو" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے گھڑی اس کی کلائی سے اتار لی — اس میں بدستور ٹوں ٹوں ہو رہی تھی — انھوں نے گھڑی اس کے منہ کے قریب کر دی۔

"ایسے نہیں — گھڑی کے نچلی طرف ایک نیلا نقطہ ہے — جب تک اسے دبایا نہیں جائے گا، اس طرف کی آواز اس طرف نہیں جائے گی۔"

"شکریہ مسٹر بھوٹانی — مجھے بس یہی معلوم کرنا تھا، محمود — تم اس کا منہ پوری طرح بند رکھو — میں بات کرتا ہوں۔"

"کیا!!!" شیخ بھوٹانی کے منہ سے نکلا — اس کی آنکھوں میں حیرت کی چنگاریاں صاف نظر آنے لگیں۔

"آپ ہماری یہ چال کیوں نہیں سمجھے مسٹر بھوٹانی۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بشش — شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔" وہ جل کر بولا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے نیلے نقطے کی طرف ہاتھ بڑھایا، ادھر محمود نے دونوں ہاتھوں سے شیخ بھوٹانی کا منہ دبا دیا —

"اگر ذرا بھی آواز نکلی مسٹر — تو منہ کی بجائے گلا دبانا پڑے گا۔" محمود نے گویا اسے دھمکی دی۔

"تم اسے آواز نکالنے کی مہلت ہی کیوں دو گے۔" فاروق نے کہا۔

"خاموش — میں نقطہ دبا رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں خبردار کیا — اور نقطے پر دباؤ ڈالا۔

"ہیلو — بھوٹانی — بہت دیر لگا دی اس طرف آنے میں۔"

"انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں سے نبٹ رہا تھا — کم بخت بہت سخت جان ہیں — خیر آپ فرمایئے۔" انھوں نے بھوٹانی کی آواز میں کہا — ان کے منہ سے اپنی آواز نکلتے سن کر

وہ بہت پریشان ہو گیا۔ اور حیرت کے مارے اس کا منہ کھل گیا۔

ابھی تک انسپکٹر کامران مرزا کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی جب کہ وہ ریاست میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اس سے پہلے بھی۔ پہلے اس طرف پوری توجہ دی جائے۔ انسپکٹر تو تمہارے قبضے میں ہے ہی۔

او کے سر۔ ویسے میرے پروگرام اور اندازوں کے مطابق تو اب تک انھیں گرفتار ہو جانا چاہیے تھا۔

تمہاری اطلاعات کہتی ہیں کہ وہ ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا ہے۔ یہ بات غلط ہو۔ بہرحال اسی بات کی اطلاع بھی میں تم سے کر ہی لوں گا۔ شاہ فیاض تو راستے کی رکاوٹ نہیں بنا؟

نہیں! وہ تو گھر کی مرغی ہے۔ بچوں بھی جیل کی سونا ہمارے حوالے کر دیا۔

اس کا مطلب ہے۔ سب پروگرام کے مطابق ہو طرف آ رہا ہے۔ بس ایک وہ مرزا آ گیا۔ ان لوگوں کو شکست دینے کی خبر یاد رہے گی۔

ٹھیک سر۔ اب مجھے وہ اجازت بھی تو ہونی چاہیے۔

بالکل ٹھیک۔ تم اس کے حق دار بھی ہو۔

انسپکٹر جمشید کے اس جملے پر تو شیخ سبحانی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ بھی کھلا رہ گیا۔

یقیناً یو سر۔

اور گھنٹے بعد پھر رابطہ قائم کروں گا۔ پہلے مجھے انسپکٹر کامران مرزا کی خبر ملنی چاہیے۔ پھر محمود کی اور اس کے بعد تم اپنی خبر سنا سکتے ہو۔

او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔ ان لوگوں کا مقابلہ شیخ سبحانی سے ہے۔

اور سلسلہ بند ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی نیلا نقطہ دبا دیا۔ اور آلہ جیب میں رکھ کر ان کی طرف مڑے۔

وہ اجازت سے آپ کی کیا مراد تھی ابا جان۔

شیخ سبحانی کا مطالعہ شروع سے بغور کرتا رہا ہوں۔ میں بھی اب تک اس کے بارے میں اندازے لگا چکا ہوں سو اس بارے میں میرا اندازہ یہ ہے کہ شارجستان اس ساری مہم کے بدلے میں شیخ سبحانی کو ریاست جون میکر کا حاکم بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس اجازت کا مطلب یہ ہے کہ اب شاہ فیاض کو ہٹا دیا جائے گا۔

بہت خوب انسپکٹر جمشید۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے مجھے حیران کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ شیخ سبحانی نے

خوش ہو کر کہا۔

"ابھی کیا ہے شیخ — ابھی تو تمہیں بہت حیران ہونا پڑے گا۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں خیر — اب اتنا زیادہ بھی نہیں۔"

انسپکٹر جمشید کوئی جواب دیے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گئے اور شعاع اس پر ماری — دروازے میں ایک باریک سوراخ ہو گیا — اب انھوں نے ہاتھ کو تیزی سے حرکت دیتے ہوئے ٹریگر دبائے رکھا — اس طرح ایک چوکور خلا دروازے میں بن گیا — جونہی خلا نمودار ہوا — باہر کھڑے پہرے داروں نے حیرت زدہ انداز میں اندر جھانکا — فاروق کا جی چاہا کہ فوراً کہہ دے:

"بھئی حیران ہو کر جھانکنے کی ضرورت نہیں — اندر آ کر اطمینان سے دیکھ لو کہ تمہارا شیخ بھوٹانی اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔"

لیکن وہ یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا تھا — کیونکہ اس کے والد تو شیخ بھوٹانی کے میک اپ میں تھے اور شیخ بھوٹانی انسپکٹر جمشید کے میک اپ میں بندھا پڑا تھا — محمود نے اب تک اس کا منہ بھی بند کر دیا تھا — تاکہ دروازہ کھلتے ہی وہ چیخنا نہ شروع کر دے۔

"یہ — یہ کیا سر — آپ دروازہ کھلوا گئے تھے — وہ

راستے سے بھی نکل گئے تھے۔

انسپکٹر جمشید کو فوراً غلطی کا احساس ہوا — واقعی وہ شیخ بھوٹانی کے میک اپ میں اس کی آواز منہ سے نکال کر دروازہ کھلوا گئے تھے — اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے — پہرے داروں نے سائرن بجا دیا اور خود رائفلیں تان لیں — لیکن انسپکٹر جمشید نے دونوں رائفلوں کی نالوں پر ہاتھ ڈال کر اندر کی طرف جھٹکا دیا — رائفلیں ان کے ہاتھوں میں آ گئیں اور وہ اوندھے گرے۔

"اب ہم شیخ بھوٹانی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے — سائرن بدستور بج رہا ہے — بس نکل چلتے ہیں۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

چاروں باہر نکلے ہی تھے کہ اپنے سامنے پورا ایک لشکر دیکھا — سینکڑوں رائفلیں ان کی طرف تنی ہوئی تھیں —

ایک پگ ڈنڈی پر کھڑی تھیں — گویا وہ صرف آخری گاڑی لے
بیٹھ کر ہی فرار ہو سکتے تھے — انھوں نے اپنا سفر اور تیزی
سے طے کرنا شروع کیا — فوجی ابھی تک چٹانوں پر چڑھ رہے
تھے — تینوں دل ہی دل میں مسکرائے — آفتاب بول اٹھا:

"کم از کم شیخ بھوٹانی کے آدمیوں میں تو وہ عقل معلوم
نہیں ہوتی — اب دیکھنا — سب کے سب چٹانوں کا رخ کر
رہے ہیں — انھوں نے اتنا نہیں کیا کہ ایک ایک فوجی
گاڑیوں کی حفاظت کے لیے بھی چھوڑ دیتے — یا پھر"

"یا پھر کیا؟" فرحت نے اسے گھورا۔

"یا پھر یہ کہ — لیکن تم مجھے گھور کیوں رہی ہو — یہ
تو بتاؤ؟" وہ تلملا اٹھا۔

"آواز اونچی نہ کر دینا۔" آصف نے اسے خبردار کیا۔

"تم مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو؟" آفتاب جھلا کر
اس کی طرف مڑا۔

"نہیں — اس سے ذرا کم۔" آصف ہنسا۔

درختوں اور چٹانوں کی اوٹ لیتے ہوئے وہ آخری گاڑی
تک پہنچ گئے —

"میدان صاف ہے — ہمیں صرف گاڑی کو بیک کرنا ہو
گا۔" آصف نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اور گاڑی کا انجن سٹارٹ کیے بغیر ہی بیک کر لیں گے؟"
آفتاب جل گیا۔

"نہیں — پہلے انجن سٹارٹ کریں گے — چابی تم دو گے
اس کی۔" فرحت نے آنکھیں نکالیں۔

"ارے باپ رے — یہ تو میں ہی پکڑا گیا۔"

دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھ گئے — فوجی ابھی تک
چڑھائی چڑھ رہے تھے — اچانک فرحت کو کسی انجانے
سے خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے کانپ کر کہا:

"اُف مالک — تک — کہیں یہ سب ایک چال تو نہیں؟"

"کیا مطلب — کون سی چال — کہاں ہے چال — یہاں
تو کسی چال کا دور دور تک پتا نہیں — بلکہ یوں لگتا
ہے — جیسے چاروں کو سانپ سونگھ گئے ہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا — آصف تم انجن سٹارٹ کرو۔"

آصف نے انجن سٹارٹ کرنے کی کوشش کی، لیکن
کامیابی نہ ہوئی — اس نے پریشان ہو کر آفتاب کی
طرف دیکھا۔

"لاؤ — میں دیکھتا ہوں۔"

انھوں نے بھی اپنی سی کوشش کر ڈالی، لیکن انجن
ٹس سے مس نہ ہوا۔

نے جل کر کہا۔

"بے چارے۔" فرحت بولی۔

"کون بے چارے — ہم۔" آصف نے اسے گھورا۔

"ارے نہیں — میں تو محمود، فاروق اور فرزانہ کی بات کر رہی ہوں — چلے تھے ہم ان بے چاروں کو چھڑانے — خود پھنس کر رہ گئے۔"

"تو خود کو بے چارے کہو نا۔" آفتاب اس پر الٹ پڑا۔

"کاش کھانے کو نہ دوڑو — سکون اور صبر کی ضرورت ہے۔" فرحت غرائی۔

نہ جانے اس کی غراہٹ میں کیا بات تھی — دونوں یک دم خاموش ہو گئے۔

"یہ سوچو — اب کیا ہونے والا ہے — یہ لوگ ہمیں انکل کی طرف لے کر جا رہے ہیں — گویا ہمارے ذریعے ان لوگوں پر قابو پانا چاہتے ہیں۔"

"چاہتے ہیں تو چاہنے دو — اب ہم ان کے چاہنے پر پابندی لگانے سے تو رہے۔"

"یہاں تو اب ہم پر پابندیاں لگیں گی۔"

گاڑیاں ان چٹانوں تک پہنچ کر رک گئیں — پھر لاؤڈ سپیکر پر آواز ابھری:

"انسپکٹر کامران مرزا اور اس کے ساتھیو! ہم جانتے ہیں کہ تم ان چٹانوں میں چھپے ہوئے ہو — اور تم نے ہمارے کچھ …ی بھی پکڑ لیے ہیں — اب سنو — تمہارے بچے ہمارے …بو میں ہیں — اگر یقین نہ ہو تو ان کی آواز سنائی جا …تی ہے — لہٰذا — تم جہاں کہیں بھی ہو — ہاتھ اوپر اٹھا …گاڑیوں کے پاس چلے آؤ — تاکہ ہم تم لوگوں کو … ساتھ لے کر شیخ بھوٹانی کی خدمت میں پیش …سکیں۔"

انسپکٹر کامران مرزا کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ …ت منٹ تک انتظار کرنے کے بعد اعلان پھر کیا گیا:

"کان کھول کر سن لو انسپکٹر کامران مرزا — اگر تم نے …ر کر ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم ان تینوں کو بم کے …لے اڑا دیں گے — باندھ دو بھئی ان کے جسموں کے ساتھ … — آواز سنائی دی۔

"ہاں ہاں باندھ دو ہمارے جسموں کے ساتھ بم — ابا …ن! آپ ہماری فکر نہ کریں — اگر آپ نے بھی خود …ان کے حوالے کر دیا تو پھر ہم سبھی اپنی جانوں سے …ھ دھو بیٹھیں گے — انکل جمشید پارٹی پہلے ہی ان کے …یں ہے۔" آفتاب نے بلند آواز میں کہا۔

"تم خاموش رہو۔ تم سے کس نے کہا ہے بات کرنے کو۔" اس سے غرا کر کہا گیا۔ اور پھر کسی نے ہانک لگائی۔

"انسپکٹر کامران مرزا اگر تم سامنے نہیں آؤ گے تو ہم تم کو بم سے اڑا دیں گے۔ یہ بات کہہ لو۔ اور ایک اٹل فیصلہ کر لو۔"

"فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔" آصف نے منہ بنایا۔

"اور وہ کیا؟" پوچھا گیا۔ یہ وہی آواز تھی جو شروع میں گاڑی میں سنائی دیتی رہی تھی۔ ابھی تک بولنے والا سامنے نہیں آیا تھا۔

"وہ سامنے نہیں آئیں گے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم تمہیں اڑا دیں۔"

"ہاں! یوں بھی الٹے سیدھے ہو ہی گئے۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"شاید تم نہیں جانتے۔ موت کس قدر تکلیف دہ چیز ہے۔ ارے۔ میں بھی تمہارے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔"

عین اسی وقت ایک بھاری پتھر فضا میں بلند ہوا اور کئی چیخیں ابھریں۔ پھر لگ کر پتھر ان کے سروں کی طرف آیا۔ وہ بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف دوڑے۔ سمجھداری سی یہی تھی۔ لیکن پتھر کی رفتار ان کے پیچھے ہٹنے کی رفتار سے زیادہ

تھی۔ وہ ان کے سروں پر ہی تھا کہ دل دوز چیخیں ابھریں۔ اور یہ چیخیں ان کی آخری چیخیں تھیں۔ ابھی وہ سنبھلنے نہیں پائے تھے کہ دوسرا پتھر بلند ہوا۔ پھر تو گویا پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔

"سب لوگ پیچھے ہٹ جائیں۔ ان تینوں کو چٹانوں میں آگے بڑھایا جائے۔ تاکہ آپ کے پتھروں کا نشانہ بیٹھے ہی بنیں۔" اسی آواز نے گرج کر کہا۔

اس ترکیب پر عمل کیا گیا۔ ان تینوں سے کہا گیا کہ اونچی چٹانوں کی طرف چل پڑیں۔ وہ آگے بڑھنے لگے۔ ساتھ ہی پتھروں کی بارش رک گئی۔

"دیکھا۔ رک گئے نا۔ اب پتھر کیوں نہیں برساتے۔" طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ دیا گیا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر وہ بول پڑے تو دشمن کو اس بات کا اندازہ ہو جائے گا۔ جہاں وہ چھپے ہوئے تھے۔ رہا پتھروں کا معاملہ۔ پتھر پہلے تو کسی نامعلوم جگہ سے لڑھکتے تھے۔ پھر ایک جگہ فضا میں بلند ہو کر گرتے نظر آتے تھے۔ لہذا ان کے ذریعے کچھ اندازہ نہیں لگ جا سکتا تھا۔

آفتاب، آصف اور فرحت آگے بڑھتے رہے۔ مناسب فاصلہ

دیکھ کر فوجی ان کے پیچھے چلتے رہے — عین اسی وقت ایک ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔

"اوہ — تو انھوں نے ہیلی کاپٹر منگوا لیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں — اللہ مالک ہے۔"

اچانک ہیلی کاپٹر سے گولیوں کی بارش شروع ہو گئی — گولیاں چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر عجیب آوازیں پیدا کرنے لگیں۔ تینوں نے فوراً گر کر اور ادھر ادھر لڑھک کر چٹانوں کے نیچے پناہ لی — فوجیوں کو بھی ان گولیوں سے بچنے کے لیے خود کو گرانا پڑا — پھر گاڑیوں کی طرف سے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا جانے لگا:

"ہمارے فوجی اب پیچھے آ جائیں — اور فوجی منگائے جا رہے ہیں — فی الحال ہیلی کاپٹر کو ان سے نبٹ لینے دیا جائے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی فوجی پیچھے ہٹتے چلے گئے — ادھر آصف اور فرحت موقع کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے — جوں ہی ہیلی کاپٹر گولیاں برساتا ہوا آگے جاتا — وہ بھی اپنی جگہ سے نکل کر آگے بڑھ جاتے — جب ہیلی کاپٹر پلٹ کر آتا اور گولیاں برساتا ان کے سروں پر سے گزرتا تو وہ دبک جاتے۔ اس طرح وہ بہت اوپر پہنچ گئے — پریشان ہو کر آصف بولا۔

"انکل آپ کہاں ہیں؟"

"ابھی کچھ اور اوپر چلے آؤ۔" اوپر سے آواز آئی۔

ان پر جوش طاری ہو گیا — اوپر چڑھتے چلے گئے — اسی وقت ہیلی کاپٹر بہت نیچی پرواز کرتا نظر آیا —

"خان رحمان — موقع اچھا ہے۔"

"جی ہاں! ان شاء اللہ اس موقع سے ہم فائدہ اٹھائیں گے۔"

جوں ہی ہیلی کاپٹر سروں پر سے گزرا — خان رحمان نے ایک پتھر پوری طاقت سے اس کی طرف اچھال دیا —

میدانِ عمل

اتنی تعداد میں اپنے سامنے لوگوں کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا — اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ اب اس قید کے اندر نہیں جائیں گے — چنانچہ انھوں نے پُرسکون آواز میں کہا —

"وہ فرار ہو گئے اور تم ادھر دوڑے آئے ہو۔"

یہ الفاظ انھوں نے اس قدر بلند آواز میں کہے کہ سارے فوجی یک لخت بوکھلا گئے — پہرے دار نے سائرن ضرور بجایا تھا — لیکن صورت حال کا کسی کو پتا نہیں تھا — ان الفاظ کے ساتھ ہی فوجیوں نے کھلا ہوا دروازہ بھی دیکھا — بس پھر کیا تھا — ان میں بھگدڑ مچ گئی — یہ دیکھ کر پہرے دار اور اس کے ساتھی چلائے:

"ارے ارے — رکو — یہ غلط ہے — یہ ٹھیک نہیں۔"

لیکن — ایک تو اتنے بہت سے فوجیوں کے شور میں

ان کی آواز دب کر رہ گئی، دوسرے جونہی انھوں نے یہ آوازیں نکالیں، انسپکٹر جمشید نے بھی شیخ سبحانی کی آواز میں چلانا شروع کر دیا:

"جلدی کرو — شاباش — وہ نکل کر نہ جانے پائیں — اگر وہ نکل گئے تو پھر تم لوگوں کی خیر نہیں۔"

جب تک وہ دور نہیں نکل گئے — وہ یہ جملے دہراتے ہی رہے — اور پھر میدان صاف دیکھ کر پہرے داروں پر ٹوٹ پڑے — محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کے پیچھے سے نکل کر یک بارگی ان پر حملہ کر دیا — چونکہ بہت جلدی میں تھے، اس لیے بجلی کی طرح ہاتھ پیر چلا کر انھیں ڈھیر کیا اور نکل گئے۔

"ان فوجیوں کے پیچھے ہی ٹھیک رہیں گے ہم لوگ۔"

انھوں نے دبی آواز میں کہا۔

"بہت خوب۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

فوجیوں کا شور انھیں برابر سنائی دے رہا تھا — لہٰذا ان کے پیچھے پہنچنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی، اس وقت جتنے اور لوگ وہاں موجود تھے — سب کے سب فوجیوں کی طرف متوجہ تھے — لہٰذا ان کی طرف کون دیکھتا — اس طرح ان کے پیچھے لگ کر راستہ صاف ہوتا

چلا گیا — باہر نکلتے ہی فوجیوں نے گاڑیوں کا رخ کیا۔

"اب ہم بھی ایک گاڑی سنبھال سکتے ہیں۔"

"مشکل صرف یہ ہے کہ میک اپ میں صرف آپ ہیں — ہم نہیں۔"

"بڑی گاڑیاں ہیں — تم ایک سیٹ کے نیچے دبک جاؤ۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک گاڑی میں سوار ہو گئے — ڈرائیور چوکس بیٹھا تھا — جونہی اس کی نظر ان پر پڑی — وہ چونک کر اچھلا۔

"جلدی کرو — وہ نکل گئے ہیں — تمہاری گاڑی سب سے پہلے نکلے۔"

"او — اوکے سر" — اس نے گھبرا کر کہا اور تیر کی طرح گاڑی نکال کر لے گیا — دوسری گاڑیوں میں چونکہ ابھی فوجی سوار ہو رہے تھے — اس لیے — وہ ان سب سے پہلے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

"بس ٹھیک ہے — شاباش" — انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

گاڑی کچھ دیر چلتی رہی — یہ قید خانہ کسی سنسان جگہ پر بنایا گیا تھا — دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا — اچانک انھوں نے کہا:

"ذرا ٹھہرو بھئی — اس طرف درختوں پر نظر ڈال لو۔"

اس نے پورے بریک لگائے — جونہی گاڑی رکی — اس کی کن پٹی پر ایک بھرپور مکا لگا — وہ آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو گیا — ساتھ ہی انھوں نے دروازہ کھولا اور اسے سڑک کے کنارے سے دور اچھال دیا۔

"اتنی دور تمھیں اس لیے اچھال دیا ہے کہ پیچھے آنے والی تیز رفتار گاڑیوں کے نیچے آ کر تمھاری ہڈیاں سرمہ نہ بن جائیں۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"اب تو ان کی گاڑی ہوا ہو گئی۔"

"بھئی واہ — مزا آ گیا — ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس قدر جلد اس سخت ترین قید سے نکل آئیں گے۔" آصف بولا۔

"یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہوا — ہمارا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم جائیں گے کہاں؟"

"ہاں واقعی — شاید اس سڑک پر سے باقی گاڑیاں بھی گزریں گی — لہذا کیوں نہ پہلے ہم جنگل میں اتر چلیں — گاڑی کو ایک طرف کھڑا کر دیں اور خود کہیں دبک جائیں — گاڑیوں

کے گزر جانے کے بعد ہم یہاں سے کسی سمت نکل جائیں گے
ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ کسی طرح انسپکٹر کامران مرزا پارٹی
سے ملاقات کر لیں — اس طرح ہماری طاقت دوگنی ہو
جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔"

اس ترکیب پر عمل شروع کیا گیا — گاڑیاں گزر جانے کے
بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے
چلنے لگے۔

"ہم نے ایک بات کی طرف دھیان نہیں دیا — اس گاڑی
کا ڈرائیور ہوش میں آ کر اپنے ہیڈ کوارٹر کو ضرور اس واقعے
کی اطلاع دے گا اور پھر اس گاڑی کی تلاش شروع ہو
جائے گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ ہاں واقعی — شاید ہماری عقلیں آرام کر رہی ہیں۔"
فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم اس گاڑی کو جلد ہی چھوڑ دیں گے — تم فکر نہ کرو۔
یہ بات میرے ذہن میں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"چلیے شکر ہے کہ کم از کم آپ کے ذہن میں یہ بات
تھی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ آدھ گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

پھر اسے بہت دور تک پیدل دوڑ لگانا پڑے گی — کہنے کا
مطلب یہ کہ اتنی جلدی گاڑی کی تلاش شروع نہیں کی
جا سکے گی۔"

ان کا سفر پرسکون انداز میں جاری رہا — پھر اچانک انہوں
نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی۔

"ارے — کیا یہ ہماری تلاش میں نکلا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے
گھبرا کر کہا۔

انھوں نے گاڑی کو فوراً سڑک سے نیچے اتار دیا — اسے
درختوں کے درمیان چھپایا اور خود نیچے اتر کر درختوں کی
اوٹ لے کر آگے بڑھنے لگے — نظریں ہیلی کاپٹر پر
جمی تھیں — جلد ہی انسپکٹر جمشید نے اسے دور کہیں گولیاں
برساتے دیکھا۔

"نہیں — یہ ہماری تلاش میں نہیں ہے — بلکہ شاید یہ
ہمارے ساتھیوں کی تلاش میں ہے — ہم اسی سمت میں
آگے بڑھیں گے۔"

ان کا سفر اب درختوں کے درمیان اور پیدل شروع ہوا۔
وہ بلا کی رفتار سے دوڑ رہے تھے — لیکن کب تک دوڑتے۔
آخر تھک کر رک جانا پڑا — ہیلی کاپٹر بدستور اسی جگہ چکر
لگا رہا تھا اور گولیاں برسا رہا تھا — اچانک انھوں نے

ہیلی کاپٹر کو جلتے دیکھا — اس سے پہلے انھوں نے کوئی شے ہیلی کاپٹر کو لگتے دیکھا تھا —

"یہ ضرور پتھر مارا گیا ہے — اور یہ کام خان رحمان کا ہی ہو سکتا ہے — گویا خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی ان کے ساتھ ہیں اور یہ لوگ ہماری تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے ہیں — یہی میرا اندازہ تھا کہ یہ لوگ آئیں گے اور اسی لیے میں اس جزیرے پر ان کے لیے پیغام چھوڑ آیا تھا۔"

"اوہ ہاں — جب سنجو کے چار ساتھی ہمیں لانچ پر چھوڑ کر ٹرک پر سوار ہو گئے تھے تو آپ نے کاغذ اور قلم جیب سے نکالا تھا۔" محمود چونکا۔

اب ان کی رفتار اور تیز ہو گئی — ایک ہیلی کاپٹر کے تباہ ہو جانے سے بھلا کیا ہوتا تھا اور ہیلی کاپٹر لگتے تھے — اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے ساتھی خطرے میں تھے —

جلد ہی انھیں گولیوں کی تڑ تڑ سنائی دینے لگی۔

"یہاں تو باقاعدہ ٹھنی ہوئی ہے بھئی۔"

"چلیے ہم بھی اس باقاعدہ ٹھنی ہوئی میں شامل ہو جاتے ہیں — یہ بے چارے ہماری مدد کے لیے آئے ہیں — ہمیں بھی تو ان کی مدد کرنی چاہیے۔" فاروق بولا۔

"لیکن ہمارے پاس — کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"پروا نہیں — حاصل کر ہی لیں گے۔"

ان کے قدم اور تیز ہو گئے — یہاں تک کہ وہ اس مقام سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے — جس جگہ پر جنگ ہو رہی تھی — انھوں نے عمودی چٹانوں کے نیچے چٹانوں میں بے شمار فوجی دیکھے — وہ اوپر ہی اوپر چڑھ رہے تھے — اور اوپر سے پتھر برسائے جا رہے تھے — ان پتھروں کی رفتار اگرچہ بہت تھی — لیکن ایک وقت میں چھے سات ہی پتھر مارے جا رہے تھے —

"ان پتھروں کی مدد سے یہ اس فوج کو کب تک دور رکھ سکیں گے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اور ہم بھلا اتنے لوگوں کا کیا بگاڑ لیں گے۔" محمود بڑبڑایا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر آگے بڑھنے لگے — اب آگے بڑھنے کا انداز اور تھا — وہ پوری احتیاط سے کام لے رہے تھے — ایسے میں فرزانہ بولی:

"ابا جان! جنگ کا پانسہ یک دم پلٹ سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"آپ شیخ بھوٹانی کے میک اپ میں ہیں۔"

"نہیں! وائرلیس پر اس فوج کے کمانڈر کو یہ اطلاع

دی جا چکی ہو گی — ہم یہ حربہ استعمال نہیں کریں گے، بلکہ
میں تو یہ میک اپ ختم کر رہا ہوں —" یہ کہہ کر انھوں
نے میک اپ اتارنا شروع کر دیا، ساتھ ہی وہ چل بھی
رہے تھے — آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے — جہاں بے ہوش
فوجی جمع تھے —

"تم یہیں دیکھتے رہو — میں ایک آدھ کو کھینچ کر لاتا ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ پیٹ کے بل رینگنے لگے — انھوں نے ابھرتی
ہوئی چٹانوں کی اوٹ لے لی — جلد ہی وہ دو فوجیوں کو
گردنوں سے دبوچے ان کے قریب آ گئے — دونوں بے ہوش
تھے — ان کی رائفلوں اور گولیوں پر قبضہ کر لیا۔

"ان کا دھیان رکھنا — اگر ہوش میں آنے لگیں تو ایک
ایک ہٹ اور رسید کر دینا۔"

"جی بہتر —" تینوں ایک ساتھ بولے۔

وہ ایک بار پھر چلے گئے — تھوڑی دیر بعد دو اور
آدمی وہاں موجود تھے اور ان کا اسلحہ بھی ان کے قبضے
میں تھا — لیکن ابھی انھیں اور اسلحے کی ضرورت تھی — اس
طرح انسپکٹر جمشید نے کئی چکر لگائے — اب ان کے
پاس اچھا بھلا اسلحہ جمع ہو گیا — پہلے تو انھوں نے
گھسیٹ کر لائے گئے فوجیوں کو دو دو تین تین ہٹ

ر بے کار کیا — تاکہ وہ عقب سے ان پر حملہ نہ کر دیں۔
"آپ نے خوب سوچ لیا ہے ابا جان — اس جنگ کا نتیجہ
لے گا؟"
"فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ ہے — خوب سوچنے کی کیا
ورت ہے — ہمارے ساتھی گھرے ہوئے ہیں — اس گھیرے
سے انھیں نکالنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا — لیکن
ں کے لیے بھی ہمیں عقل سے کام لینا پڑے گا — ورنہ
ری فوج اگر ہم پر الٹ گئی تو ہم اللہ کو پیارے ہو
یں گے۔" ان کے لہجے میں شوخی تھی۔

"تب پھر ایک طرف آپ ہو جائیں — ہم تینوں یہاں سے
لی فاصلے پر جا کر اپنا کام شروع کرتے ہیں — اس طرح
ں فوج کے عقب پر دو طرف سے حملہ ہو گا۔" فرزانہ
نے تجویز پیش کی۔

"یہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ ایک طرف بڑھتے چلے گئے — تھوڑی
دیر بعد انسپکٹر جمشید نے اُلو کی آواز نکالی — جس کا مطلب یہ
تھا کہ اب میں حملہ کرنے لگا ہوں — تم بھی تیار ہو جاؤ —
اسلحے کو پوری طرح قبضے میں کرنے کے بعد انھوں نے
اچانک فائرنگ شروع کر دی، ساتھ ہی اس طرف دیکھا۔

جس طرف تینوں گئے تھے — لیکن اس طرف سے کوئی …
نہ ہوئی — انھیں بہت حیرت ہوئی — لیکن یہ حیران …
کا وقت نہیں تھا — ان کی اچانک فائرنگ نے …
گھبراہٹ طاری کر دی تھی — کتنے ہی فوجی ان کی …
رخ کر کے دھواں دھار قسم کی فائرنگ کرنے لگے — انسپکٹر …
اگرچہ عمارت سے فائرنگ کر رہے تھے اور دشمن یہ سمجھ …
رہے تھے کہ اس طرف بہت سے آدمی موجود ہیں — جو …
توڑ انداز سے فائرنگ کر رہے ہیں — لیکن ان کو …
کا شکار تھا — کہ آخر محمود، فاروق اور فرزانہ نے …
کیوں شروع نہیں کی — کیا وہ پھنس گئے — اچانک …
خیال آیا — انھوں نے بہت تیز اُلّو کی آواز نکالی — …
محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف سے انھیں کوئی …
نہ ملا —

انھیں اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا —

○

وہاں پہنچ کر تینوں نے مورچہ سنبھال لیا اور اپنے والد …
کی طرف سے اشارہ ملنے کا انتظار کرنے لگے — اچانک …

آواز کانوں سے ٹکرائی — ان کی انگلیاں ٹریگروں پر جم گئیں —
… اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتے، فرزانہ نے سرگوشی کی:
"ٹھہرو! مجھے ایک بہت خوفناک خیال آیا ہے۔"
"خوفناک خیال کو بھی اسی وقت آنا تھا۔" فاروق نے
… بنایا۔
"… فرزانہ — جب ہماری طرف سے فائرنگ نہیں ہوگی
… جان کیا خیال کریں گے — کیا وہ پریشان نہیں
…وں گے؟"
"ضرور ہوں گے — لیکن مجبور ہیں، ہم فائرنگ نہیں
کر سکتے۔" اس نے کہا۔
"آخر کیوں نہیں کر سکتے — کوئی وجہ بھی تو ہونی
…ہیے۔" محمود نے جھنجھلا کر کہا۔
"ذرا میرے ساتھ اس طرف آؤ —" وہ انھیں فوجیوں
… دور درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔
دونوں نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا، پھر
…ں کے ساتھ پیچھے ہٹنے لگے۔
"ہم تمھاری بات پر عمل کر رہے ہیں — ذمے دار
…ی تمھاری ہی ہو گی۔"
"ٹھیک ہے — میں ذمے داری لیتی ہوں۔" اس نے

پرسکون آواز میں کہا۔

چلتے ہوئے وہ بہت دور آ گئے۔

"اب بتا بھی چکو۔" فاروق جل کر بولا۔

"سنو! اس وقت تک ہمارے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے؟"

"کیا ہوتا رہا ہے۔ کیا تم بس یہ بات بتانے کے لیے یہاں لائی ہو؟"

"نہیں! اور بھی بہت کچھ بتاؤں گی۔ پہلے میرا ... کا جواب دو۔" وہ بولی۔ حد درجے سنجیدگی اس ... پر نظر آ رہی تھی۔

"اب ہمیں کیا معلوم۔ کہ تم کیا کہلانا چاہتی ہو۔" محمود نے کہا۔

"خیر سنو۔ اب تک ہوتا یہ رہا ہے کہ شیخ جبڑانی ... ہماری تمام عادات سے واقفیت کا فائدہ اٹھاتا رہا ... اور ہم اس کے جال میں ... رہے ہیں۔ یہاں تک ... اس قید خانے تک پہنچ گئے۔ وہ بھی اندر موجود تھ... ذرا غور کرو۔ وہ سب ایک ڈرامہ تھا۔ شیخ جبڑانی ... پہلے ہی پروگرام بنا لیا تھا کہ وہ اس طرح قید خانے ... میں شکست کھا جائے گا۔ اور ہم ابا جان سمیت قید خانے ... سے نکل جائیں گے۔ پھر فرار ہو کر آخر اپنے ...

... پہنچ جائیں گے۔ اور یہاں فوج موجود ہو گی۔ جہاں ایک ... جنگ ہو رہی ہو گی۔ پھر یہ کہ ہم بھی اس ... میں الجھ جائیں گے۔"

"آگے کہو۔ رک کیوں گئیں۔ ہم اب بھی نہیں سمجھے تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"کمال ہے۔ تم اب بھی نہیں سمجھے۔ بھئی شیخ جبڑانی کا پروگرام بالکل یہی تھا۔ ہم اس وقت اس کے پروگرام کے عین مطابق یہاں موجود ہیں۔ اور یہ خیال کرنا ہماری حماقت ہے کہ ہم اپنی کوشش سے یہاں تک آئے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ پھر یہ بتا دیں کہ یہاں ہمارا کیا کام ہے؟"

"کوئی کام نہیں۔ بس ہم فوجیوں سے الجھے رہیں گے۔ ... رہیں گے۔ اور ادھر سونا شارجستان بھیج دیا جائے ... اس وقت شیخ جبڑانی کو کم از کم یہ تو معلوم ہے ... ہم اس کی فوج کے ساتھ کہاں بھڑے ہوئے ہیں۔ ... وہ پورے اطمینان سے سونا شارجستان کی طرف روانہ ... ہونے والا ہو گا۔ جب سونا شارجستان چلا جائے گا۔ ... وقت ہمارے خلاف اصل کارروائی ہو گی۔ یا ہمیں ... گرفتار کر لیا جائے گا یا یہ لوگ ہم سے شکست کھا ... جائیں گے۔ لیکن شکست کی صورت میں بھی یہ لوگ فخریہ

اندازہ نہیں کر سکیں گے کہ چلو سونا تو ہم نے ٹھکانے لگا دیا — یہ لوگ دراصل شارجستان کے چمچے ہیں — اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں — آپا خیال شریف ہیں۔"

"خیال شریف کی بات کرتی ہو — تم نے تو ہماری آنکھیں کھول دی ہیں — اب ہم کیا کریں۔"

"مجھے خیال ذرا دیر سے آیا، ورنہ میں یہ خیال آپ کے سامنے پیش کر دیتی۔"

اسی وقت انھوں نے ایک بار پھر اُلّو کی آواز سنی، وہ چونک اٹھے،

"ابا جان ہمارے لیے پریشان ہو چکے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں — جلد ہی انھیں بھی اس بات کا احساس ہو جائے گا — آؤ ہم — فوجی گاڑیوں کی طرف چلیں ہمیں ایک گاڑی سے فرار ہونا ہے — اس طرح کہ انھیں احساس تک نہ ہو سکے۔"

"لیکن کہاں جائیں گے — ہمیں تو اس صوبے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔"

"یہ باتیں ہم گاڑی میں بھی کر سکتے ہیں۔" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

وہ گاڑی کی طرف ہٹتے چلے گئے — آخر کار سب

میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھنے لگے — گاڑی میں ڈرائیور موجود تھا — اور اونگھ رہا تھا — وہ ان کے لیے آسان شکار ثابت ہوا، اس کا شکاری چاقو اس کے پہلو میں جب نصف انچ کے قریب اتر گیا، تو اس نے لرز کر کہا:

"کیا چاہتے ہو۔"

"تمھارے یہ سب لوگ — اس وقت ان پہاڑیوں میں ہمارے خلاف لڑ رہے ہیں — اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہم کون لوگ ہیں اور کیا ہیں۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"لہذا تم — اس قدر آہستہ انداز میں یہاں سے روانہ ہو کہ دوسروں کو احساس تک نہ ہو سکے — اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو پھر ہم سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

"اچھی بات ہے — میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا — لیکن تم لوگ بھی وعدہ کرو — مجھے جان سے ہرگز نہیں مارو گے۔"

"یہ ہم وعدہ کرتے ہیں۔" محمود بولا۔

ٹرک بالکل آہستہ آہستہ وہاں سے پیچھے ہٹنے لگا — ساتھ والے ٹرک کے ڈرائیور کو ضرور احساس ہوا — اس نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا بھی — لیکن ان کے ڈرائیور

نے ہاتھ کا اشارہ دے کر گویا یہ الفاظ ادا کیے،

"ابھی آتا ہوں۔"

اور اس نے سر اندر کر لیا — ان کی گاڑی پیچھے ہٹتی چلی گئی — یہاں تک کر فوجی گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

"اب اس کا رخ سیدھا کر لو — اور ہمیں بتاؤ — شارجستان کی سرحد یہاں سے کس طرف ہے۔"

"کیوں — کیا بات ہے۔"

. . . .

مینار

پتھر ٹھیک ہیلی کاپٹر کو لگا — فوراً ہی ایک شعلہ سا ابھرا اور پھر اس نے آگ پکڑ لی — دوسرے ہی لمحے وہ ایک دھماکے سے پھٹا اور اس کے ٹکڑے فضا میں بکھر کر نیچے آنے لگے — خان رحمان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی — وہ پھر اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے لگے — ان کے دونوں ہاتھ بھی پتھر برسانے لگے — ایسے میں پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی:

"خان رحمان — اتنی بڑی فوج سے آخر ہم کب تک لڑ سکیں گے۔"

"ہم لڑنے کے سوائے کر بھی کیا سکتے ہیں۔" وہ بولے۔

"میری ایک تجویز ہے —" فرحت کی آواز ابھری۔

"پتھروں کے سائے میں بھی — بھئی واہ۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"اور تجویز یہ ہے کہ ہم میں سے دو ایک چکر کاٹ کر دشمن کی اس فوج کے عقب میں پہنچ جائیں، کسی طرح اسلحہ حاصل کریں اور ان کی کمر کی طرف فائرنگ شروع کر دیں۔ اس طرح ان میں ہل چل سی مچ جائے گی۔"

"ہوں۔ ترکیب دل کو بھائی۔ میں اور خان رحمان جا رہے ہیں۔ تم پتھر ذرا اور تیزی سے برسانا شروع کر دو، تاکہ ہمارے جانے سے دشمن کوئی کمی نہ محسوس کر سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اب وہ تیزی دکھائیں گے کہ کبھی کبھی دکھائی ہو گی۔" آفتاب بولا۔

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ عقل بھی استعمال کرنا۔"

"اس کے علاوہ، ہمارے ساتھ پروفیسر انکل جو ہیں۔" آصف مسکرایا۔

"اوہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر۔ آیئے بھئی خان رحمان چلیں۔"

انھوں نے چکر کاٹنا شروع کر دیا۔ یہ ایک بہت مشکل اور لمبا کام تھا۔ پھر جونہی وہ دشمن فوج کے عقب میں پہنچنے کے قریب ہوئے۔ انھوں نے اس طرف بھی فائرنگ کی آوازیں سنیں اور ساتھ ہی دشمن کی فوج میں ابتری

…س گئی۔

"ائیں! خان رحمان۔ یہ ادھر تو پہلے ہی ہمارا کوئی ساتھی موجود ہے۔"

"ہو نہ ہو۔ یہ۔" خان رحمان کہتے کہتے رک گئے۔

"ہو نہ ہو یہ کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہیں وہ نہ ہوں۔" وہ بولے۔

"بھئی پہیلیوں میں کیوں باتیں کر رہے ہیں، صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ کہیں انسپکٹر جمشید نہ ہوں۔"

"ہاں! یہی کہنا چاہتا تھا۔ میں نے کچھ دیر پہلے۔ جب ہم کچھ فاصلے پر تھے۔ الو کی آواز بھی سنی تھی۔ لیکن میں اس آواز کو اپنا وہم سمجھا تھا۔"

اچانک الو کی آواز پھر گونجی۔ دونوں اچھل پڑے۔

"اب تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔"

دونوں تیزی سے اس طرف بڑھنے لگے۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے یہ چٹانوں کا شہر ہو۔ ہر طرف بس چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔ بہت بڑا چکر کاٹ کر وہ انسپکٹر جمشید کے عقب میں پہنچ گئے۔ لیکن جونہی وہ ان کے کسی قدر نزدیک ہوئے۔ انسپکٹر جمشید چیتے کی سی پھرتی سے پلٹے

اور اس طرف کی پوزیشن لے لی۔

دونوں ان کی اس تیزی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔
اور پھر خان رحمان نے بھی منہ سے اُلو کی آواز نکالی۔
انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔ اور ہاتھ کا اشارہ دے کر پھر [illegible]
پر فائرنگ شروع کر دی۔ وہ ایک کے بعد دوسری رائفل [illegible]
جا رہے تھے کہ دونوں ان تک پہنچ گئے۔

"السلام علیکم۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام۔ ملاقات مبارک ہو۔ لیکن میں محمود، فاروق
اور فرزانہ کی طرف سے فکر مند ہو گیا ہوں۔ آپ یہ محاذ
سنبھالیں۔ اتنی بڑی فوج سے ہم صرف چٹانوں کی آڑ
سے اب تک لڑتے رہے ہیں۔ اگر یہ چٹانیں نہ ہوتیں تو
کب کے لقمۂ اجل بن گئے ہوتے۔ اور نہ ہم ایک دو دن
سے زیادہ یہ لڑائی جاری رکھ سکیں گے۔ آخر ہمارے [illegible]
شل ہو جائیں گے۔ پتھر پھینکنے کی سکت باقی نہیں [illegible]
گی۔ اس وقت یہ لوگ ہمیں چوہوں کی طرح دبوچ لیں
گے۔ لہٰذا میری بات جلدی سے سن لیں۔ میں ان [illegible]
کے پیچھے جا رہا ہوں۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے۔
وہ شارجستان کی سرحد کی طرف نکل گئے ہیں۔ مجھے [illegible]
کی چال میری سمجھ میں ابھی آ گئی ہے۔ وہ ہمیں [illegible]

الجھا کر سونا شارجستان پہنچا دینا چاہتا ہے۔ آپ لوگ بھی
وہاں سے غیر محسوس طور پر نکل کر سرحد کی طرف آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم سمجھ گئے۔ آپ جائیں۔" انسپکٹر کامران
مرزا بولے۔

انسپکٹر جمشید اس طرف چلے گئے۔ جس طرف محمود، فاروق
اور فرزانہ گئے تھے۔

"خان رحمان۔ اب معاملہ اور ہو گیا ہے۔" انھوں نے
رائفل سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"تمہارے سر پر ایک بہت عجیب ذمے داری آ پڑی
ہے۔"

"جلدی بتائیں۔" وہ بولے۔

"میں بھی اب یہی محسوس کر رہا ہوں۔ کہ ہماری یہاں
نہیں۔ وہاں۔ یعنی شارجستان کی سرحد پر ضرورت ہے۔ بلکہ
فوری ضرورت۔ ورنہ سونا اگر شارجستان پہنچ گیا۔ تو ہمارا یہ
مشن ناکام ہو جائے گا۔ اور ہم اپنے ملک میں کسی کو منہ
دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ لیکن اس سے زیادہ
تکلیف وہ بات یہ ہے کہ سونا ہم گنوا بیٹھیں گے۔ لہٰذا تم
وہیں چلے جاتے۔ جہاں سے ہم دونوں آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"میں ادھر اپنا کام جاری رکھوں گا — تم ان چاروں کو بھی میرے پاس بھیج دو — میں ان میں سے ایک کو یہاں چھوڑ کر — یا اگر اس وقت تک کوئی صورت بن گئی تو ان چاروں کو ساتھ لے کر یہاں سے سرحد کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

"آپ — آپ کا مطلب ہے — میں اکیلا اس فوج کا مقابلہ کرتا رہوں —" خان رحمان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی لیکن خوف کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

"ہاں! اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں — انسپکٹر جمشید دراصل یہی کہنا چاہتے تھے — لیکن جلدی کی وجہ سے کہہ نہیں سکے۔"

"بہت بہتر — میں جا رہا ہوں — جاتے ہی انھیں اس طرف روانہ کر دوں گا اور پھر میں اس وقت تک گولیاں برساتا رہوں گا، جب تک کہ میرے ہاتھوں میں دم ہے — تم فکر نہ کرنا خان رحمان — ہم سرحد سے سیدھے ادھر آئیں گے۔"

"... آپ میری فکر نہ کیجیے گا — اپنا کام مکمل کر لیجیے" وہ جذباتی آواز میں بولے — اور تیزی سے اس راستے

پر روانہ ہو گئے — جس سے آئے تھے — ان کے ہاتھ میں بس ایک رائفل تھی —

ان چاروں کے پاس پہنچ کر انھوں نے مخصوص آواز نکالی اور پھر انھیں صورتِ حال سمجھائی —

"اوہ — ادھر انکل جمشید فائرنگ کر رہے تھے — ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ فائرنگ آپ نے جا کر شروع کی ہے۔"

"نہیں — یہ کام وہ پہلے شروع کر چکے تھے — اور اب نیا آرڈر سنیے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے پوری بات بتا دی — وہ دھک سے رہ گئے —

"ہم — اور آپ کو تنہا چھوڑ جائیں — اتنے دشمنوں کے نرغے میں۔"

"میں نرغے میں نہیں ہوں — تم جاؤ" — وہ سرد آواز میں بولے۔

اور وہ چاروں اس راستے پر چل نکلے — یہاں تک کہ انسپکٹر کامران مرزا سے جا ملے۔

"آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے آؤ — ہمیں ایک عدد فوجی گاڑی تک پہنچنا ہے۔"

"یہ ہمارا پیچھے ہٹنا محسوس نہیں کر لیں گے؟"

"اتنی جلدی محسوس نہیں کریں گے — تم ہٹنا شروع کر
دو —" انھوں نے کہا اور فائرنگ کرنے لگے — ان کی فائرنگ
نے اب تک نہ جانے کتنے دشمنوں کا صفایا کر دیا تھا — وجہ
یہ تھی کہ انھیں تو نشانہ بھی لینے کی ضرورت نہیں تھی —
دشمن کی فوج ان کی زد میں تھی — جب کہ وہ چٹان کی
اوٹ میں تھے — پھر انھوں نے بھی پیچھے ہٹنا شروع کر
دیا — دشمن فوج نے فائرنگ بند ہونے کا مطلب یہ سمجھا کہ شاید
کوئی چال چلنے کی تیاری ہو رہی ہے — لہٰذا وہ وہیں رک
کر ادھر ادھر دیکھنے لگے — لیکن جب کئی منٹ گزر گئے
تو انھوں نے آگے سرکنا شروع کیا —

"وہ — وہ شاید عقب کا محاذ چھوڑ کر اپنے ان ساتھیوں
کی طرف چلنے لگے ہیں — جو ادھر پتھراؤ کر رہے ہیں — اب
تو پتھراؤ میں بھی بہت تیزی آ گئی ہے — پتا نہیں یہ کم بخت
کس بلا کے بنے ہیں —" کسی نے کہا — اس کی آواز ان
پانچوں تک پہنچ گئی — مسکراہٹیں ان کے چہروں پر رینگ گئیں
اوپر سے واقعی سنگ باری میں بہت تیزی آ گئی تھی — پتھر
لڑھکتے چلے آ رہے تھے — گویا ان کے اوپر بارش ہو رہی
ہے — اور وہ برستے ہی لڑھکنے لگتے ہیں۔

اوپر موجود خان رحمان نے تھوڑی دیر بعد ایک وا

گاڑی کو غیر محسوس طور پر حرکت میں آتے دیکھا — تو ایک اداس
مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آ گئی — اب وہ اس میدانِ کارزار
میں بالکل تنہا رہ گئے تھے — لیکن پھر فوراً ہی انھوں نے
اداسی کو پرے جھٹک دیا اور بلا کی تیزی سے ہاتھ چلانے
لگے — ایک جگہ پتھر کم پڑ جاتے تو وہ دوسری طرف کا رخ
کرتے — ان چٹانوں میں پتھروں کی اس قدر کثرت تھی کہ
یوں لگتا تھا جیسے چٹانوں پر پتھروں کی فصل اگی ہوئی ہو۔

○

سرحد سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر محمود نے کہا:
"ٹرک روک لو — اور ہمیں یہ بتاؤ کہ یہاں سب سے
اونچی جگہ کون سی ہے:"
"سب سے اونچی جگہ — کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ — ہم کسی اونچائی پر چڑھ کر پوری سرحد کا
جائزہ لینا چاہتے ہیں:"
"اوہ میں سمجھ گیا — اس کے لیے تمھیں مینارے پر چڑھنا ہو
گا — جس سے کہ سرحد کی نگرانی کی جاتی ہے:"
انھوں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں — دور بہت دور

ایک اونچا مینار دکھائی دیا۔

"سوال یہ ہے کہ ان صاحب کا کیا کریں؟"

"خاتمہ۔" فرزانہ نے اس کی گردن پر انگلی پھیر کر کہا.

"نن۔ نہیں۔ مجھے نہ مارو۔ میں آپ لوگوں کے کام آؤں گا۔ آپ کو سرحد پار کرنے میں مدد دوں گا۔ اور میری مدد کے بغیر آپ لوگ سرحد پار نہیں کر سکیں گے۔"

"غلط کہتے ہو۔ ہم اللہ کی مدد سے سرحد پار کریں گے۔ خیر ہم تمھیں باندھ کر پچھلے حصے میں ڈال دیتے ہیں۔"

انھوں نے اسے جلدی جلدی باندھا اور پھر مینار کی طرف چلے۔ وہ جھک کر چل رہے تھے۔ کسی وقت بھی دشمن لوگ انھیں دیکھ سکتے تھے۔ اگرچہ ابھی وہ سرحد سے بہت دور تھے۔ اور فوجی بہت آگے تھے، پھر بھی۔ وہ زبردست خطرے میں تھے۔

"مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے ہم موت کے منہ میں آ گئے ہیں۔"

"ایک دن موت کے منہ میں بھی آنا ہو گا۔"

تینوں جب کچھ اور آگے بڑھ گئے تو پیٹ کے بل لیٹ کر رینگنے لگے۔ اب اگر وہ کھڑے رہتے تو فوجی انھیں دیکھ لیتے.

"اسی طرح اگر ہم اس مینار تک پہنچ جائیں تو مزا آ جائے گا۔"

محمود بولا.

"ہاں۔ پیٹ خوب چھل جائیں گے۔" فاروق نے فوراً کہا.

"تمھیں پیٹوں کی پڑی ہے۔ اور میں سوچ رہا ہوں۔ ہم ابا جان کو دشمنوں کے مقابلے میں بالکل تنہا چھوڑ آئے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا.

"بالکل تنہا تو خیر نہیں۔ انکل کامران مرزا اور انکل خان رحمان اور پروفیسر داؤد جو ان کے ساتھ ہیں۔"

"ان کے ساتھ نہیں۔ دوسرے محاذ پر۔" محمود نے کہا.

"ہم اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے۔ اب مہربانی فرما کر باتیں نہ کرو۔ کام جاری رکھو۔" فرزانہ نے گویا انھیں حکم دیا.

تینوں مسلسل آگے رینگتے رہے۔ زمین نوکیلی اور پتھریلی تھی۔ پیٹ واقعی چھلے جا رہے تھے۔ لیکن وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ اور پھر ان کے پیٹوں سے خون بہنے لگا۔ ہاتھ اور پیر بھی زخمی ہو گئے۔ لیکن وہ رکے پھر بھی نہیں۔

اور پھر۔ مینار ان کے بالکل سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک فوجی نے انھیں دیکھ لیا.

ٹرک کو کیا ہو گیا

"اے خبردار — کون ہو تم —" وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا — اور ان کی حالت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہائیں تم تو زخمی بھی ہو۔"

"بس کیا بتائیں — زخموں سے چُور چُور ہیں۔" محمود نے بہت دھیمی آواز منہ سے نکالی۔

"بری ٹھہا — میں سُن نہیں سکا" اس نے قدرے جھک کر کہا۔

محمود نے اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا — کہ بیٹھ کر بات سُن لو — ہم زیادہ زور سے بات نہیں کر سکتے — وہ اکڑوں بیٹھ گیا — محمود نے ہمدردی چاہنے والے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اور جھکا لیا اور پھر اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی:

"یہ — یہ — یہ کیا" اس کے حلق سے بمشکل نکلا۔

"یہ دیکھی بے بسی — اب ہم اس کو کیا نام دیں" فاروق نے دبی آواز میں کہا — ساتھ ہی اس کی کمر کے گرد دونوں ہاتھ ڈال دیئے — اس طرح اس کے ہاتھ بھی بگڑے گئے — جلد ہی وہ ڈھیر ہو گیا۔

"حیرت ہے — یہاں فوجی بہت دور دور نظر آ رہے ہیں: اس کی ضرور کوئی وجہ ہے — اور یہ وجہ ہم مینار والے فوجی سے چل کر پوچھ لیتے ہیں" محمود نے کہا اور مینار کی طرف رینگنے لگا — جس فوجی کو انھوں نے بے ہوش کیا — وہ اس مینار کے اور ان کے درمیان آ گیا تھا — ورنہ شاید اس سے بھی مڈبھیڑ نہ ہوتی — وہ مینار کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے — آواز بالکل پیدا نہیں ہو رہی تھی —

وہ عین فوجی کے پیچھے جا کھڑے ہوئے — محمود نے رائفل اس کی گردن سے لگا دی اور بولا:

"کیا حال ہے دوست"

وہ بُری طرح اچھلا اور پھر دہشت زدہ ہو گیا۔

"تت — تم — تم کون ہو"

"آپ کے ہم درد — آپ کو مینار کی اس خوفناک ڈیوٹی سے نجات دلانے آئے ہیں"

"خوفناک ڈیوٹی — کیا مطلب"

"خوفناک ڈیوٹی کا مطلب خوفناک ڈیوٹی ہی ہوتا ہے — آرام دہ اور پُرسکون ڈیوٹی ہرگز نہیں ہوتا۔" فاروق نے بُرا ماننے والے انداز میں کہا۔

"ارے ہاں — تم نے اب تک ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے؟"

"آخر تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"آج اس طرف اتنے کم فوجی کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

"فوجیوں کی چٹانوں میں ضرورت پڑ گئی ہے — ادھر ادھر سے فوج منگوانے کا وقت نہیں تھا — لہذا زیادہ تر فوجی ادھر بھیجے گئے ہیں — لیکن تم —"

"ہاں ہاں — بتاتے ہیں اپنے بارے میں بھی — پہلے تمہاری بات تو ہو جائے — آج تمہیں کوئی خاص ہدایت تو نہیں ملی؟"

"نہیں — کیوں — کیا بات ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم نے سوچا — شاید کوئی ہدایت ملی ہو — اچھا اب ذرا سر نیچے کر لو۔" محمود نے عجیب انداز میں کہا۔

"کیوں — کس لیے؟"

"ہم ذرا ایک دو جٹ آپ کے سر مبارک پر مارنا چاہتے ہیں تاکہ آپ یہاں آرام سے لیٹ جائیں اور ہم اپنے کام کر سکیں۔"

"نن — نہیں۔" اس نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"مجبوری ہے بھئی —" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے سر پر چوٹ پوری قوت سے لگی — اس نے خود کو بچانے کی بہت کوشش کی — لیکن بچ نہ سکا، تیورا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"اب مینار پر ہمارا قبضہ ہے — اور یہاں اسلم بھی موجود ہے — مزا رہے گا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"مزا تو اس وقت رہے گا نا جب — اوہو — میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے — یہاں سے زیادہ تر فوجیوں کو اس لیے ہٹایا گیا ہے تاکہ سونے کے منتقل ہونے کا منظر نہ دیکھ سکیں اور اس طرف تو فوجی ہیں ہی نہیں — لیکن پھر مینار والے فوجی کو اور جو نیچے کھڑا تھا — اسے کیوں چھوڑا گیا — اور کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ فوجی جو ہمیں نیچے ملا — دراصل مینار والے فوجی کو ہٹانے گیا تھا۔"

"شاید یہی بات ہے — وہ دیکھو — اس طرف سے ایک ٹرک چلا آ رہا ہے — اب اگر اس پر سونا ہو تو کیا ہی بات ہے؟"

"اور اس کے ساتھ زیادہ فوجی بھی نہیں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے — اس مرتبہ میدان ہم نے مار لیا — اگر ہمیں بروقت یہ خیال نہ آ جاتا تو سونا تو کم از کم ہاتھ سے گیا تھا۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔
تھوڑی دیر بعد ٹرک نزدیک آ گیا۔

"میں اب اور انتظار نہیں کر سکتا — اس مینار پر ہم لوگ بھی محفوظ نہیں — ہمارے پاس وقت بھی بہت کم ہے — اگر یہ ٹرک شارجستان کی سرحد کی طرف بڑھ گیا تو پھر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے — وہاں بہر حال فوجی موجود ہیں۔"

یہ کہہ کر محمود نے ٹرک ڈرائیور کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی — گولی کی آواز نے پوری فضا کو تھرا دیا — صحرا میں گولی چلنے کی آواز معمولی بات نہیں ہوتی — ابھی انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ گولی کس نے کس طرف سے اور کس پر چلائی ہے۔

ٹرک بہک گیا — بلکہ رکا کیا، مینار سے آ کر لگا — اس میں اور کوئی موجود نہیں تھا — ورنہ باقی لوگ ضرور ٹرک سے کود پڑتے —

"یہ — یہ کیا بھئی — اس ٹرک پر تو صرف ڈرائیور تھا — تب یہ ٹرک سونے کا نہیں ہو سکتا۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"وحشت ہے کی — بے چارہ ڈرائیور بے کار ہی مارا گیا۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"اب ران پر ہاتھ مارنے سے تو زندہ ہو نہیں جائے گا۔"

میں نیچے اتر کر ٹرک کو دیکھ آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے — لیکن ذرا جلدی کرو۔" محمود بولا۔

فاروق بلا کی رفتار سے سیڑھیاں اتر کر ٹرک تک پہنچا — اس نے ٹرک کا اندرونی حصہ دیکھا، لیکن اس میں تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ منہ بنا کر واپس لوٹ گیا:

"ٹرک خالی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا — سونے کا ٹرک بھلا اس طرح ایک آدمی سرحد پر لا سکتا ہے — یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے ساری فوج چٹانوں کی طرف بھیج دی ہے — لیکن کچھ آدمی تو ٹرک کے ساتھ ضرور بھیجے جاتے — آخر کو ہم لوگ ریاست میں موجود ہیں — اور شیخ بھوٹانی اتنا سیدھا — ارے بائیں — وہ دیکھو بھئی —" فاروق چونک اٹھا — انھوں نے دیکھا — فوجیوں سے بھرا ہوا ایک ٹرک سرحد کی طرف آ رہا تھا — ایک فوجی جیپ اس کے آگے اور ایک پیچھے تھی:

"دیکھا — اس میں ہے سونا۔" فرزانہ چہکی۔

"ہاں — لیکن — ہم اتنے آدمیوں کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے"

"پروا نہیں — ہم بہر حال مقابلہ کریں گے — اپنے ملک کا سونا انھیں شارجستان کے حوالے نہیں کرنے دیں گے۔"

"تب پھر ہمیں مینار کا دروازہ اندر سے بند کر لینا چاہیے۔"

تاکہ فوجی اوپر نہ آسکیں۔" فرزانہ بولی۔

"یہ ٹھیک رہے گا — فاروق جلدی کرو — دروازہ بند کر آؤ۔"

"اور تم تو بس ٹھیک ہے، ٹھیک ہی کرتے رہا کرو۔" اس نے جھلا کر کہا اور نیچے کی طرف اترا — جونہی وہ واپس اوپر پہنچا — انھوں نے ایک اور فوجیوں سے لدی ہوئی گاڑی آتے دیکھی:

"مقابلہ آسان نہیں ہو گا — کاش ہمارے باقی ساتھی بھی یہاں ہوتے۔" فرزانہ نے سرد آہ بھری۔

"آسان ہو گا یا مشکل — ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے — ہمیں تو بس اپنا کام کرنا ہے۔" محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔

"ٹرک ہماری زد میں ہے — مقابلہ شروع کر دینا چاہیے۔" فرزانہ بولی۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔" یہ کہہ کر محمود نے گولی چلا دی۔ گولی ڈرائیور کو لگی — اور پھر مینار کی طرف بھی گولیوں کی باڑھ ماری گئی — کیونکہ دور دور تک تو کوئی اوٹ کی جگہ تھی نہیں — فائر کرنے والا اگر ہو سکتا تھا تو مینار پر اور مینار پر اگر دشمنوں کے فوجی کا قبضہ ہوتا تو ان پر گولی نہ چلائی جاتی

لہٰذا انھوں نے فوراً ہی بیج نکال لیا اور اوپر کی طرف فائرنگ کر دی — لیکن وہ دونوں محفوظ تھے — کیونکہ مینار تو بنایا ہی اس انداز سے گیا تھا اوپر موجود فوجی محفوظ رہے اور دوسروں کو گولیوں کا نشانہ بنا سکے —

عین اسی وقت دوسری گاڑی بھی پہنچ گئی — اس وقت تک ٹرک والے فوجی اس سے اتر کر اسی کی اوٹ لے کر فائرنگ کرنے لگے تھے — جونہی دوسری گاڑی وہاں پہنچی — ایک کڑک دار آواز گونجی:

"یہ کیا ہو رہا ہے — تم لوگوں کو سرحد پار کرنے کے لیے کہا تھا یا یہاں جنگ کرنے کے لیے۔" آواز شیخ عبوثانی کی تھی۔

"ہم پر مینار سے فائر ہوا تھا سر — ڈرائیور مارا گیا — لہٰذا ہمیں بھی جوابی فائرنگ کرنا پڑی۔"

"اوہ — تو پھر ہم اس مینار کو ہی اڑا دیتے ہیں — لیکن سوال یہ ہے کہ اس پر ہے کون۔" شیخ عبوثانی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہمارے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" محمود نے چہک کر کہا۔

"کیا — انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی۔" وہ دھاڑا۔

"نہیں — فی الحال صرف ان کے بچے —" وہ بولا۔

"اوہ — کوئی پروا نہیں — تم یہ ٹرک نہ روکو — سرحد کی طرف لے جاؤ — ہم انھیں دیکھ لیں گے۔" شیخ بھوٹانی نے گرج کر کہا۔

"ہم ٹرک کو نہیں جانے دیں گے بھوٹانی صاحب۔"

"ٹرک لے جاؤ۔" وہ چلایا — پوری قوت سے چلانے کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ گئی۔

فوجی فوراً ٹرک پر سوار ہو گئے — اوپر سے فائر ہوا — اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے والا ایک چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔

"اوہو — یوں نہیں بے وقوفو — ٹرک کو جیپوں کو سرحد کی طرف لے چلو — جب ان کی رینج سے دور نکل جاؤ تو اس وقت انجن چلانا —" اس نے جھلا کر کہا۔

فوجیوں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا — ادھر بھوٹانی بولا:

"اس مینار کو اڑا دو — نہ رہے گا بانس — نہ بجے گی بانسری۔"

"لو — اب مینار بھی بانس ہو گیا۔" فاروق کی آواز ابھری۔

فوراً ایک توپ اس گاڑی کے سرے پر باہر کو نکلی — لیکن اس سے پہلے کہ اس سے نکلنے والا گولا مینار سے ٹکراتا — توپ پر ایک گولی آ کر لگی — اس کا رخ گھوم گیا — فوجیوں نے فوراً مڑ کر دیکھا — انسپکٹر کامران مرزا — آفتاب، آصف اور فرحت سامنے کھڑے تھے — انھوں نے

ایک ہی گولی چلانے پر بس کی تھی نہیں — فوراً زمین پر لیٹ کر فائرنگ کرنے لگے — فوجی دھڑا دھڑ گرے —

"ختم کر دو انھیں — یہ بہت اچھے نشانے باز ہیں۔"

بچے کھچے فوجیوں نے انسپکٹر کامران مرزا کا رخ کیا — اوپر سے محمود، فاروق اور فرزانہ نے انھیں نشانہ بنانا شروع کر دیا — ساتھ ہی فاروق نے حیرت زدہ آواز میں کہا:

"ہائیں — یہ اس ٹرک کو کیا ہو گیا ہے؟"

"بس ٹرک کو — تم اس وقت ٹرک کی طرف نہیں — فوجیوں کی طرف توجہ دو — ذرا سی غلطی بھیانک ثابت ہو سکتی ہے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے —" اس نے منہ بنایا اور فائرنگ کرنے لگا۔ ان کی تابڑ توڑ فائرنگ نے انھیں پھر مینار کی طرف مڑنے پر مجبور کر دیا —

"پہلے مینار گرانا ہو گا —" بھوٹانی چلایا، ساتھ ہی اس کے منہ سے حیرت زدہ آواز میں نکلا:

"ارے یہ کیا؟"

اوپر سے محمود، فاروق اور فرزانہ نے اسے دیکھ لیا — انھیں بہت حیرت ہوئی — کیونکہ شیخ بھوٹانی کا منہ مارے حیرت کے پوری طرح کھلا ہوا تھا — اور اس کا منہ ایک

سمت میں تھا — پھر اچانک وہ پوری طاقت سے چلایا:

"روکو — اسے روکو۔"

"جی سر — کسے روکیں۔" کئی فوجی حیران ہو کر بولے۔

"ٹرک کو بے وقوفو۔"

"ٹرک تو یہ رہا۔" ایک فوجی نے کہا۔

شیخ بھوٹانی نے اپنی رائفل اس پر کھینچ ماری اور چلایا:

"عقل کے اندھو — میں اس ٹرک کی بات کر رہا ہوں — جو یہاں کھڑا تھا — وہ خالی ٹرک۔"

فوجیوں کے ساتھ محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر کامران مرزا کی پارٹی بھی گھوم گئی — وہ خالی ٹرک دور بہت دور جا چکا تھا۔ وہ بالکل غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ رینگ کر اسے جگہ سے لے گیا تھا۔

"فاروق — تم نے اس ٹرک کے بارے میں کہا تھا — ٹرک کو کیا ہو گیا ہے۔"

"ہاں!" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"حیرت ہے — اس خالی ٹرک کو کون یہاں سے لے گیا — اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی — اور یہ شیخ بھوٹانی کو کیا ہو گیا — وہ کیوں اس خالی ٹرک کے لیے پاگل ہوا جا رہا ہے۔"

فرزانہ نے جلدی جلدی کہا — مارے حیرت کے ان کی حالت

بہت بری ہو چلی تھی — ایسے میں شیخ بھوٹانی کی بلند آواز دی —

"مینار کا خیال بھی چھوڑ دو — ان لوگوں کا خیال بھی جانے دو — تم سب کے سب مل کر اس ٹرک کو روکو — یہ ٹرک اس کے پیچھے لے جاؤ — اور اس سے آگے نکال لو — اس کا راستہ روک لو — جلدی کرو۔"

جونہی اس کے الفاظ ختم ہوئے — فوجی مورچے چھوڑ کر دھڑا دھڑ ٹرک میں سوار ہونے لگے — انسپکٹر کامران مرزا، محمود، فاروق اور فرزانہ نے فوجیوں کی بجائے — ان کے ٹرک کے ٹائروں کا نشانہ لیا اور گولیاں برسانا شروع کر دیں — چاروں ٹائر زبردست آواز سے پھٹے —

"اُف — میں پاگل ہو جاؤں گا — میں کہتا ہوں — روکو اس ٹرک کو — یہ کہہ کر وہ خود بھی ٹرک کی طرف دوڑ پڑا — لیکن پھر اسے ایک زبردست جھٹکا لگا — انسپکٹر کامران مرزا اس کے سامنے کھڑے تھے۔"

"نہیں بھوٹانی — تم اس ٹرک کو جانے سے نہیں روک سکتے۔"

بھوٹانی نے غصے میں ان پر چھلانگ لگا دی — اگرچہ وہ فائر بھی کر سکتا تھا — لیکن اس پر تو دیوانگی طاری ہو چکی تھی —

وہ عین ان پر آ کر گرا — انھوں نے بھی دونوں ہاتھوں سے اسے جکڑ لیا — اور لگے دونوں اوپر نیچے ہونے —

"ٹھہرو، رکو — اس ٹرک کو روکو۔" شیخ بھوٹانی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا —

وہ پہلے تو ٹھٹک کر اس لڑائی کو دیکھنے لگے تھے — حکم سن کر پھر دوڑے — لیکن اس مرتبہ آفتاب، آصف اور فرحت ان کے سامنے دیوار بنے کھڑے تھے — ان کی رائفلوں سے شعلے اگلے — کئی آدمی اچھل کر گرے اور پھر باقی ان پر ٹوٹ پڑے — اب زبردست جنگ ہونے لگی — مینار پر سے یہ منظر محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا تو محمود بولا:

"اب ہم مینار پر نہیں رہ سکتے۔"

تینوں برق رفتاری سے سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے اور اس طرف دوڑے — جہاں جنگ ہو رہی تھی — انھوں نے اپنی رائفلوں کو نالیوں کی طرف سے پکڑ لیا اور انھیں لاٹھیوں کی طرح گھماتے فوجیوں کی پشت پر وار کرنے لگے — فوجی گھبرا گئے —

"یہ ملاقات بھی یاد رہے گی —" فاروق نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"بعد میں یاد کر لیں گے — پہلے لڑ تو لو۔" آفتاب

ل گیا —

ان کے ہاتھ اور پیر بلا کی رفتار سے حرکت کر رہے تھے؛ ہر بھوٹانی اور انسپکٹر کامران مرزا بدستور زمین پر لڑھک رہے تھے — بھوٹانی نے خود کو چھڑا لینے کی پوری کوشش کر ڈالی — لیکن چھڑا نہ سکے — انسپکٹر کامران مرزا کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح وہ چھوٹ نہ جائے — کیونکہ اس صورت میں وہ فوراً ٹرک کی طرف دوڑ پڑتا —

عین اس وقت فوجیوں کے چند ٹرک اور آتے نظر آئے — بھوٹانی چلایا:

"وہ مارا — اب ہم اس ٹرک کو —"

انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا — اس وقت وہ اس کے اوپر تھے —

"تمھارا حکم سنیں گے تو فوجی ٹرک کی طرف جائیں گے —" وہ غرائے۔

اس نے منہ پر سے ہاتھ ہٹانے کی کوشش شروع کی — اتنے میں چار ٹرک وہاں پہنچ گئے — صورتِ حال دیکھتے ہی وہ ان کی طرف جھپٹے — اور پھر بہت سے فوجی انسپکٹر کامران مرزا سے چمٹ گئے — کتنے ہی فوجی چھوٹی پارٹی پر چھا گئے — لیکن ان سب باتوں کے باوجود انسپکٹر کامران مرزا کا ہاتھ

جھوٹانی کے منہ پر جما ہوا تھا۔ ایسے میں اس کے فوجی ساتھیوں کو عقل آ گئی۔

"سر کا حکم ہے۔ اس ٹرک کو روکنا ہے۔ یہ بھی حکم آپ لوگوں کو دینا چاہتے تھے کہ اس شخص نے ان کا منہ بند کر دیا۔"

"اوہ۔ تم منہ کھلواؤ۔ ہم ٹرک کو روک سکتے ہیں۔"

"اب منہ بند رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا نے ہاتھ ہٹا لیا اور فوجیوں پر ٹوٹ پڑے۔ چند لمحے تک فوجی ان کے تابڑ توڑ حملوں سے گھبرا گئے۔ اس وقت جھوٹانی نے کہا:

"اسے چھوڑ دو۔ ٹرک کو روکو۔"

فوجیوں نے بے تحاشا ٹرک کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ ذرا کو سنبھل گئے تھے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جو یہ دیکھا تو وہ بھی دوڑنے لگے۔ اور فوجیوں سے آگے نکل گئے۔ بھلا پارٹی بھلا اب کہاں رکنے والی تھی۔ وہ بھی دوڑ پڑی۔ ایسے میں جھوٹانی فوراً ایک ٹرک کی طرف بڑھا۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھال لی اور وہ بھی اس سمت میں دوڑ پڑا۔

اب ہر کوئی اس خالی ٹرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ ساتھ

ب تک بہت دور نکل چکا تھا۔ اس کی رفتار حد درجے تیز تھی۔

وہ بے تحاشا دوڑتے رہے۔ پھر جھوٹانی کا ٹرک ان سے آگے نکل گیا۔ اس پر بھی انھوں نے دوڑنا بند نہ کیا۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے پستول نکالا اور ٹرک کے ٹائر پر فائر کر دیا۔ ٹرک لڑکھڑانے لگا۔ جھوٹانی نے اس پر سے چھلانگ لگا دی۔ اور بے تحاشا دوڑنے لگا۔

وہ سب دوڑ رہے تھے۔ لیکن پھر انھوں نے جھوٹانی کو ایک جھٹکے سے رکتے دیکھا۔ اس کا منہ ایک بار پھر کھل گیا۔ نزدیک پہنچ کر انھوں نے دیکھا۔ ٹرک ان کے ملک کی سرحد عبور کر رہا تھا۔ اگرچہ اس نے ملک کے فوجی ٹرک پر گولیاں برسا رہے تھے۔ کیونکہ انھیں نہیں معلوم تھا کہ ٹرک پر کون سوار ہے۔ ٹرک سے گولیاں ٹکرائیں۔ اس کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ٹائر پھٹ گئے، اس کے باوجود وہ سرحد کے اندر داخل ہو گیا۔ پھر انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی:

"خبردار! اب کوئی گولی نہ چلائے۔ میں انسپکٹر جمشید ہوں۔"

سرحد سے ادھر موجود لوگوں کو جیسے ہوش آ گیا۔ وہ بے تحاشا سرحد کی طرف دوڑ پڑے۔ جھوٹانی چلایا:

"انھیں شوٹ کر دو۔"

لیکن اس کے فوجی ابھی بہت پیچھے تھے۔ اور اس کے

پاس کوئی رائفل نہیں تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ سب لوگ سرحد
کے نزدیک پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے انھیں دیکھ لیا:
"خبردار! یہ اپنے ساتھی ہیں۔ گولی نہ چلانا۔" وہ ایک [illegible]
پھر چلائے۔

فوجی پہلے ہی پریشان تھے۔ اب اور پریشان ہو گئے۔ [illegible]
ان کے کیپٹن نے لاؤڈ سپیکر پر کہا:

"ٹھیک ہے۔ ہم گولی نہیں چلاتے۔ مگر آپ لوگوں کو ہاتھ
اوپر اٹھا کر آگے آنا ہو گا۔ جب تک کہ شناخت نہیں ہو جاتی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
کہا اور ہاتھ اٹھا دیے۔ ان کے باقی ساتھیوں نے بھی ہاتھ
اٹھا دیے۔

"حملے کا بھی خطرہ ہے۔ کیپٹن۔ دشمن کے فوجی آ رہے ہیں۔"

"اوہ۔" کیپٹن کے منہ سے نکلا۔ اور پھر وہ بلند آواز
میں اپنے ماتحتوں کو حکم دینے لگا۔

ٹرک کو دھکیل کر سرحد سے اور آگے لے آیا گیا۔ پھر
انسپکٹر جمشید کی ہدایت پر ایک فوجی گاڑی کے ساتھ باندھ کر
اسے [illegible] کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ دس گاڑیاں
اس کی حفاظت کے لیے ساتھ کر دی گئیں۔

سرحد پر اب جنگ شروع ہو چکی تھی۔ لیکن انھیں اس

جنگ کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے۔ یہ وقتی ابال
ہے۔ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔

"ہاں! اب بتائیے۔ یہ کیا چکر ہے۔" ملٹری آفیسرز نے
انھیں گھیرے میں لے لیا تھا۔

مختصر طور پر انھیں چکر بتایا گیا۔ پھر انسپکٹر جمشید نے
اپنی کہانی بتائی:

"میں جب سرحد پر پہنچا۔ محمود وغیرہ مینار پر چڑھ رہے
تھے۔ اس خالی ٹرک کی وہاں موجودگی کی وجہ میری سمجھ میں
نہیں آئی۔ میں پیٹ کے بل رینگ کر مینار تک پہنچنے میں
کامیاب ہو گیا تھا۔ اور صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر
جب جھٹانی آیا تو اس کی نظر سب سے پہلے اس خالی
ٹرک پر پڑی اور اس کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ
دوڑ گئی۔ میں مینار کی اوٹ سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔
اچانک جھٹانی کی چال۔ جو کہ آخری چال تھی۔ میری سمجھ میں
آ گئی۔ جس ٹرک کو صرف ایک آدمی۔ بغیر کسی حفاظت کے
لا رہا تھا۔ سونا دراصل اس میں تھا۔ اور جس ٹرک کو
پوری حفاظت کے ساتھ سرحد تک لایا گیا۔ اس میں کچھ
بھی نہیں تھا۔ اس کا پلان یہ تھا۔ کہ ہم اس ٹرک کے
پیچھے پڑ جائیں اور سونے والے ٹرک کی طرف آنکھ اٹھا کر

بھی نہ دیکھیں — بس میں خاموشی سے اس میں سوار ہوا ، اور
پیچھے جھجکے اسے سٹارٹ کیا اور آہستہ آہستہ اسے دور
جانے لگا — جب ذرا فاصلہ بڑھا تو رفتار تیز کر دی — وہ
کہتے چلے گئے۔

"یہ سب تو خیر ہو گیا — لیکن پروفیسر انکل اور انکل خان
رحمان کا کیا کیا جائے — وہ تو دشمن ریاست میں ہی رہ
گئے۔" آصف بولا۔

"ہاں! میں بھی ان کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں — لیکن
نہیں — ہم یہاں سے واپس گھر نہیں جائیں گے — ان شاء اللہ
یہیں سے پھر دشمن ریاست کا رخ کریں گے — اور اپنے ساتھیوں
کو چھڑا کر لائیں گے۔"

"اور اس کے بعد — ہماری ملاقات باقاعدہ ہو گی — اس
مرتبہ تو ہم مل ہی نہیں سکے — اور آپس میں بات چیت
کر سکے۔" فاروق بولا۔

"پہلے اپنے ساتھیوں کو واپس لائیں گے — ورنہ ان حالات
میں تم کیا نہیں بول سکو گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

اور پھر وہ سرحد کی طرف متوجہ ہو گئے — ان کی حیرت کی
انتہا نہ رہی — وہاں دشمن بے شمار فوج جمع ہو چکی تھی —

سرحد پار کر کے اس طرف جانا اب آسان کام نہیں رہا تھا —
کے باوجود انھیں یہ کام کرنا تھا۔

○

یار خان رحمان — وہ لوگ تو اب تک جا چکے ہوں
گے — اب ہم پتھر کیوں برسائیں —" پروفیسر داؤد نے
ادر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔" وہ بولے۔

"لیکن آخر ہم کب تک پتھر برسائیں گے۔"

"جب تک ہاتھوں میں جان رہے گی۔"

ان کے ہاتھ چلتے رہے — پتھر برستے رہے — یہاں
تک کہ ان کے بازو شل ہو گئے — اور پتھر برسانے کی ان
میں ہمت نہ رہی اور وہ بے دم ہو گئے — ان کی طرف
سے پتھر بازی بند ہوتے دیکھ کر فوجی آگے بڑھے اور ان
تک پہنچ گئے — وہ قریباً بے ہوش تھے — اس حالت میں
ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں — اور انھیں اٹھا
کر گاڑی تک لایا گیا۔

"کیا تم جانتے ہو — تمھارے ساتھی تمھیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں — اور اب ان کے واپس آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ہے؟"

"وہ ضرور آئیں گے۔" پروفیسر بولے۔

عین اس وقت ایک جیپ آتی نظر آئی — اس پر چند فوجی آفیسر تھے — ان میں سے ایک بولا:

"یہاں کیا رہا؟"

"ہم انھیں گرفتار کر چکے ہیں سر — سرحد کی کیا صورتِ حال ہے؟"

"وہاں ہم شکست کھا چکے ہیں — یہ لوگ سونا بھی لے گئے اور سب ساتھی سرحد بھی عبور کر گئے — لیکن اب ہم ان دونوں کو اپنے قبضے میں رکھیں گے اور انھیں یہاں واپس لانے پر مجبور کر لیں گے۔"

"بہت خوب۔"

"کیوں — اب تمھارا کیا حال ہے؟" فوجی آفیسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں — بہت خوشی ہے — بہت زیادہ کہ وہ کامیاب ہو گئے — اور ہمیں کیا چاہیے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اور تمھیں اس بات کا رنج نہیں کہ وہ تم دونوں کو یہاں مصیبت میں چھوڑ گئے؟"

"نہیں! ہمیں رنج ہونا بھی نہیں چاہیے — تم ہمیں نہیں جانتے — ہم ذرا مختلف قسم کے لوگ ہیں۔" خان رحمان نے کہا — اور دونوں کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں — وہ ذرا بھی فکر مند نظر نہیں آ رہے تھے —

اور فوجی گاڑیاں انھیں اس قید خانے کی طرف لے جا رہی تھی — جس کا دروازہ بہت موٹے فولاد کا تھا۔

تمام
قارئین سے درخواست ہے
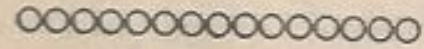
ڈاک ٹکٹ ، منی آرڈر ، چیک ، ڈرافٹ ، نئی اور پرانی کتابوں کے آرڈرز ، آرا پر مشتمل خطوط ، سوالات ، جوابات ، انعامی سلسلے اور مستقل عنوانات کے تحت اپنی نگارشات ، غرض ہر قسم کی ڈاک آپ صرف اور صرف جھنگ کے پتے پر ارسال کریں —

- عام ڈاک پر یہ پتا لکھیں:

اشتیاق احمد — پوسٹ بکس نمبر ١٢ — جھنگ

- منی آرڈر اور رجسٹرڈ ڈاک اِس پتے پر ارسال کریں:

اشتیاق احمد — وی ٦/٨ سٹیلائٹ ٹاؤن — جھنگ

نوٹ

ادارے کے ہول سیل ڈیلر ، بک سٹالوں اور لائبریریوں کے مالکان اس درخواست سے مستثنیٰ ہیں —

شکریہ !

٢٠،٠٠٠ روپے کے نقد انعامات
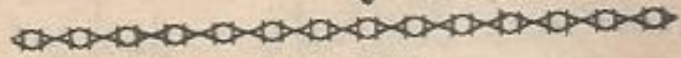
لہروں کی موت
کا انعام

سوال یہ تھا: آپ نے مُجرم کے بارے میں درست اندازہ کس صفحے پر لگایا ؟
جواب : صفحہ نمبر ١٩٠ پر —

موصول ہونے والے سب سے پہلے ایک سو درست جوابات میں سے بذریعہ قرعہ اندازی مندرجہ ذیل بیس درست جوابات پر فی کس ١٠٠٠ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جا رہا ہے —— (ادارہ)

- عبدالصبور ، مکان نمبر ٢/١ اے ، الفلاح سوسائٹی ، ڈرگ کالونی ، کراچی ٢٥
- فیصل ہاشم ، ٣٧/١ اے میر فضل ٹاؤن ، یونٹ نمبر ٩ ، لطیف آباد ، حیدرآباد
- شاہد محمود ، افتخار بلڈنگ ، چوبرجی ، لاہور
- ظفر اقبال بھٹی ، مکان نمبر ١٣٥/٢ ، بہار کالونی ، الف مسجد روڈ ، گلی نمبر ١٢ کراچی ٥٣

نوٹ: پہلے تین خط انعام قرار پائے۔ پچاس پچاس روپے کا نقد انعام روانہ کیا جا رہا ہے ———— (ادارہ)

سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناولوں کے خالق اور بچوں کے مشہور مصنف اشتیاق احمد صاحب، السلام علیکم! آپ کو بہت بہت دلی مبارک باد قبول ہو — کس بات کی؟ — ہیں! آپ کو یاد نہیں — اوہو! یاد آیا آپ تو ہر بات بھول جانے کے عادی ہیں۔ چلیں، میں آپ کو یاد دلا دیتی ہوں، آخر ہم جیسے پرانے قارئین کس دن کام آئیں گے۔

اپنے ذاتی ادارے کے تحت ناول شائع کرتے اس سال دسمبر میں آپ کو پورے دس سال ہو جائیں گے۔ ماشاءاللہ ان دس سالوں میں آپ کے ناولوں نے دن دگنی رات چوگنی ترقی اور مقبولیت حاصل کی ہے۔ آسمان کی بلندیوں کو چھوتی اس شہرت میں آپ کے کمپیوٹر دماغ اور ہاتھ کی انگلیوں کا بڑا کمال ہے۔ دماغ تو ماشاءاللہ روز بروز ترقی کی منزلوں کی طرف گامزن ہے، لیکن انگلی نے رستے میں دغا دے دیا، یہ دغا پھر بھی قارئین کے مفاد میں ہی گیا کر

انھیں ایک حقیقی معنوں میں اُردو ادب کا ترجمان رسالہ چاند ستارے پڑھنے کو ملا۔

آپ نے یکم جنوری ۱۹۸۰ء سے ہر ماہ دو ناول مکتبہ اشتیاق کے تحت شائع کرنے شروع کیے۔ پہلے دو ناول "یہ بچّے خطرناک ہیں" اور "کان کا راز" تھے۔ آپ کے پہلے ناول "یہ بچّے خطرناک ہیں" کی دو باتیں مجھے اب بھی یاد ہیں، جس میں آپ نے لکھا کہ "محمود، فاروق اور فرزانہ خطرناک ہیں، لیکن صرف مجرموں کے لیے"۔

مکتبہ اشتیاق کے تحت شائع ہونے والا بیسواں ناول "جیرال کا منصوبہ" آپ کا پہلا خاص نمبر تھا جو اکتوبر ۱۹۸۰ء کو شائع ہوا، جس میں نہ صرف جیرال بلکہ کالی آنکھ سے بھی مُلاقات ہوئی۔ بتیسواں ناول "ملاشا کا زلزلہ" دوسرا خاص نمبر تھا جو اپریل ۱۹۸۱ء کو شائع ہوا۔ اس طرح اکتوبر اور اپریل خاص نمبروں کے لیے مخصوص ہوگئے۔ "وادیٔ دہشت" اتنا موٹا اور بھاری بھرکم تھا کہ پڑھتے پڑھتے بے چارے کی چولیں (پنیں) اکھڑ گئیں۔ قارئین کی شکایت پر آپ نے چوتھے خاص نمبر کو دو حصّوں میں تقسیم کردیا یعنی "کالا شیطان" اور "شیطان کے پُجاری"، جس میں دو مشہور مجرموں جیتال اور اسابیہ سے ہماری مُلاقات ہوئی۔ پانچواں خاص نمبر غیر متوقع طور پر دسمبر ۱۹۸۲ء کو ملا، جس کے چار حصّے تھے اور ہر حصّہ عام ناول کے برابر تھا۔ یہ تجربہ کچھ خاص کامیاب نہیں ہوا، کیوں کہ قارئین ایسا خاص نمبر پسند کرنے لگے تھے جس کے پڑھنے سے

نہ صرف آنکھیں اور دماغ متاثر ہو، بلکہ ہاتھ بھی دُہائی دیں۔ چھٹا خاص نمبر "جیل کی موت" قارئین کو بے انتہا پسند آیا، کیوں کہ وہ ان کی پسند کے عین مطابق تھا۔

جنوری ۱۹۸۴ء میں آپ کے موجودہ ادارے "اشتیاق پبلی کیشنز" کے تحت شائع ہونے والے ناول دیکھ کر قارئین نے بے ساختہ نعرہ لگایا: "موجاں ای ہوگئیاں"، کیوں کہ اس ماہ ساتویں خاص نمبر "سلاٹر کی واپسی" کے ساتھ شوکی برادرز کا پہلا خاص نمبر "انسانی دُھواں" بھی پڑھنے کو ملا۔ جُوں جُوں وقت آگے بڑھتا رہا، آپ قارئین کی آرا کا احترام کرتے رہے، جس کا ثبوت آٹھواں خاص نمبر "دُنیا کے قیدی" ہے۔ اس میں انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ شوکی برادرز بھی شامل ہوئے۔ دُشمنوں میں التانیو، رے راٹا اور سلاٹر ایکا کرکے ان کے مدِمقابل آگئے۔

یہاں میں آپ کو چیلنج کرنا چاہتی ہوں۔ آپ ہر وقت قارئین کو انعام دینے میں لگے رہتے ہیں۔ یہ انعام میری طرف سے آپ کے لیے، بس آپ اپنے نویں خاص نم[illegible]دیں۔ ایک سو روپیہ آپ کا ہوا۔

آپ کے دسویں خاص نمبر "جزیرے کا سمندر" کی رونمائی ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء کو ہوئی۔ قارئین اسے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیا واقعی یہ آپ کا کارنامہ ہے؟ اُف اتنا موٹا ناول، ۸۰۰ صفحات۔ اسے کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی آپ کا یہ دعویٰ بھی پڑھنے کو ملا کہ آپ اتنا طویل

خاص نمبر کبھی دوبارہ نہیں لکھ سکیں گے۔ ویسے یہ الگ بات ہے کہ "سنہری
چٹان" نے اس دعوے کی قلعی کھول دی۔ جولائی ۸۵ء کو تو قارئین کے
وارے نیارے ہوگئے، اُن کی باچھیں کھل گئیں اور وُہ جھوم جھوم اُٹھے
جب تینوں پارٹیوں کے الگ الگ خاص نمبر "پُرخوف فتنہ"، "بگ باس" اور
"پھانسی گھر" کی صورت میں اُن کے سامنے آئے۔ تینوں ناول قارئین
کو بے حد پسند آئے۔ ۲۰ دسمبر کو "بیگال مشن" منظر عام پر آیا۔ ۸۶ء کے
دو خاص نمبر "ڑابنائے مہم" اور "سی مون کی واپسی" تھے۔ ۱۹۸۷ء کا پہلا
خاص نمبر "باطل قیامت" اور دُوسرا "سنہری چٹان" تھا۔ ۱۲۲۴ صفحات کا یہ
اٹھارہواں خاص نمبر یقیناً بچّوں کے ادب میں دُنیا کا ضخیم ترین ناول
ہے۔ اب تو میں بھی آپ کی ہم آواز ہو گئی ہوں کہ ایسا ہی ایک
اور ناول لکھنا خود آپ کے لیے بھی مشکل ہو گا، لیکن ناممکن نہیں،
کیوں کہ اُمید پر دُنیا قائم ہے۔ بہر حال "سنہری چٹان" اپنے نام کی طرح
اتنا بہترین اور لاجواب ناول ہے کہ جاسوسی ادب میں سنہری حروف
سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ جولائی ۸۸ء کو "فتنے کی چوری" نمودار ہوا۔
۸۸ء کا دُوسرا اور آپ کا بیسواں خاص نمبر "جی موف + سی مون" تھا۔ اس ناول
میں پہلی مرتبہ تینوں پارٹیوں نے شکست کھائی اور "دُشمن" شاندار شکست
مبارک" کا طعنہ دیتا ہوا چلا گیا۔ ۸۹ء کا پہلا خاص نمبر "سمندر کا دروازہ" تھا
جس میں ایک ایسے راز سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جو ساری
دُنیا کے لیے معمّا بنا ہوا ہے۔ ۸۹ء کا دُوسرا خاص نمبر "دُشمن چٹانیں"

۲۰ اکتوبر کو پڑھنے کو ملنے والا ہے۔ تعلیمی سال میں تبدیلی کے ساتھ
ہی خاص نمبروں کے ماہ بھی تبدیل کر دیے گئے۔ اب ہر سال دونوں
خاص نمبر ۲۰ اپریل اور ۲۰ اکتوبر کو شائع ہوا کریں گے، جو ایک خوش آئند
بات ہے۔ آخر میں میری طرف سے ایک بار پھر مبارک باد قبول کریں۔ دعا
ہے، زورِ قلم اور زیادہ ہو —

نازیہ ناز نازو ، فیصل آباد

انکل اشتیاق، السلام علیکم! بہت دنوں سے آپ کی اُنگلی کی ضد
برداشت کر رہا ہوں۔ آخر مجبور ہو کر یہ خط بنام آپ کی اُنگلی لکھ رہا
ہوں۔ اُمید ہے کہ اُنگلی اور میری گفت گو میں آپ روڑے نہیں اٹکائیں
گے۔ ہاں تو محترمہ اُنگلی صاحبہ! آپ نے کیوں ہمارے ناک میں دم
کر رکھا ہے، جو کام اسلام کے دشمن نہ کر سکے، وُہ تم نے کر
دیا۔ یعنی دشمنانِ اسلام، اشتیاق احمد صاحب کو ناول لکھنے سے باز
رکھنا چاہتے تھے، وُہ تو باز نہ رکھ سکے، تم نے اپنا کرتب دکھا دیا۔
کہیں تم بھی جاپانیوں کی "سازش کا شکار" تو نہیں ہو گئی ہو اور اگر
"سازش کی جڑیں" زیادہ گہری ہیں تو ہمیں حقیقت سے آگاہ کرو،
تاکہ ہم ان کی چال کا منہ توڑ جواب دیں۔ میں تمام قارئین کی طرف
سے درخواست کرتا ہوں کہ تم اشتیاق صاحب کو صرف ایک ناول
لکھنے پر مجبور نہ کرو، بلکہ جلدی سے صحت یاب ہو کر اشتیاق صاحب

کو زیادہ نہیں تو کم از کم تین ہزار صفحات کا بہترین سا خاص نمبر لکھنے دو۔ اشتیاق صاحب نے چند دن پہلے تمہارا اور ناول لکھنے کا معاملہ ہم پر چھوڑ دیا ہے۔ کہو تو ہم تمہارے پاؤں، اوہ سوری، تمہارا ناخن پکڑ سکتے ہیں، منت کر سکتے ہیں، تحریری درخواست دے سکتے ہیں۔ اب اگر تم نے ہماری درخواست، بلکہ خط پر غور نہ کیا اور صحت یاب نہ ہوئیں تو ہم اللہ تعالیٰ سے تمہاری صحت یابی کی دُعا کریں گے اور پھر مجبوراً تمہیں کام کرنا پڑے گا۔"

اشتیاق صاحب! آپ کا کیوں منہ بن گیا ہے، کہیں آپ خود تو ناول زیادہ لکھنے سے انکاری نہیں۔ میری تحریر کو ہو بہو اسی طرح اپنی انگلی صاحبہ کی خدمت میں پیش کیجیے گا۔

مطلوب حسین ، شریف انجینئرنگ ورکس ، سرگودھا روڈ ، جھنگ صدر

ڈیر انکل اشتیاق ، السلام علیکم! آپ کو اکثر ہم سے یہ شکایت رہتی ہے کہ آپ کو ہمارا خط نہیں ملا، تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو ہمارا خط نہیں ملتا۔ اس پر غور کریں۔

۱۔ حالاں کہ ناول پڑھنے کے بعد سب سے پہلا کام ہم آپ کو خط لکھنے کا ہی کرتے ہیں۔

۲۔ پابندیٔ وقت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

۳۔ خط پوری احتیاط سے پوسٹ کرتے ہیں۔

۴۔ اس کے باوجود اگر آپ کو شکایت کا موقع ملتا ہے تو اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔

۵۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ ناول میں اپنا پتا لکھنا بھول گئے ہوں۔
بس اس صورت میں ہم آپ کو جواب دینے کے قابل نہیں رہتے اور آپ ہم سے شکایت کرتے ہیں۔ پہلے ان باتوں کا اطمینان کر لیں، پھر شکایتی خط لکھیں۔

۶۔ آپ فوری اطلاع دیں، لیکن اطمینان اور سکون کے ساتھ۔ گھبراہٹ، پریشانی، بے چینی اور بدگمانی کا کوئی فائدہ نہیں۔

۷۔ ہم آپ کے اپنے قارئین ہیں، آپ کے احساسات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔

۸۔ تمام تر شکایتی خطوط میرے ذاتی پتے پر ارسال کریں۔ ہو سکتا ہے میں شکایت دُور کرنے میں آپ کا معاون ثابت ہو سکوں۔ شکریہ!

ذاتی پتا: ضیاء الرحمٰن خان، گلی نمبر ۱۳ ، محلہ ورکشاپی ، راول پنڈی

محترم اشتیاق احمد، السلام علیکم! ابھی ابھی آپ کا ناول "سازش کی جڑیں" پڑھا۔ پڑھ کر حیرت کے سمندر میں جو ڈوبے تو ابھی تک وہیں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ حیرت اس بات پر کہ آخر یہ بات ہماری عقل میں کیوں نہیں آئی کہ اس کیس کا شاید یہ پہلو بھی ہو سکتا ہے،

جب کہ ہم نے مرحوم صدر کے حادثے پر کافی غور بھی کیا۔ بہرحال یہ ناول
مجموعی طور پر بہت اچھا تھا۔ مبارک باد قبول کریں۔
چاند ستارے میں یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ میری کہانی
قسط وار شائع کریں گے۔ آپ نے ہماری دلی خواہش پوری کر دی۔
ہما رحمان ، سمیرو رحمان ، شکیل الرحمان ، پشاور

محترم اشتیاق صاحب ، السلام علیکم ! میری والدہ صاحبہ ۱۷ اگست
کو ہم سے دُور چلی گئی ہیں۔ آپ کو پتا ہے ، ماں کتنی عظیم ہستی
ہے۔ آپ میری ماں کی مغفرت کے لیے خود بھی دُعا کریں اور قارئین
سے بھی دُعا کروا دیں۔ شکر گزار ہوں گا۔ اس ماہ کے ناول اور
چاند ستارے نہیں پڑھ سکا۔ پیکٹ جُوں کا تُوں پڑا ہے۔
ہمایوں بشیر شیخ ہومی ، مکان نمبر ۴۶۰۹ ، آنند پورہ ، گوالمنڈی ، راولپنڈی
ج : اللہ آپ کی والدہ کو اپنی رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین!
قارئین سے بھی دُعا کی درخواست ہے۔

اشتیاق احمد ! اُمید ہے کہ تم خیریت سے ہو گے۔ یہ خط میں
تمھاری آنکھیں کھولنے کے لیے لکھ رہا ہوں۔ تم اپنے آپ کو کیا
سمجھتے ہو ؟ کیا تم کوئی عالم فاضل ہو یا کوئی مصنف ہو ؟ جانے
بچے تمھارے ناولوں کے پیچھے پاگل کیوں ہو جاتے ہیں ؟ تم بچوں

کو خوب لوٹ رہے ہو۔ چاند ستارے جیسا گھٹیا پرچہ اس کی مثال
ہے۔ تم روپے جمع کرنے والی مشین بن گئے ہو۔ تم بس دولت
چاہتے ہو۔ میرا اگر یہ خط شائع نہ کیا تو تم بُزدل کہلاؤ گے۔ اب
میں دیکھوں گا کہ تم بُزدل ہو کہ نہیں ہو۔ اگر تم واقعی انصاف پسند
ہو تو یہ خط شائع ضرور کرنا۔ بھئی یہ بھی خوب کہ جواب کے لیے
بچّوں سے ٹکٹیں منگواتے ہو۔ ٹکٹ تمھارے منہ پر مار رہا ہوں۔ جواب
جلد دینا۔ دُعا گو :
عاصم صدیق ، مکان نمبر ۲ ، گلی نمبر ۳۴ ، ہوتا سنگھ روڈ ، سنت نگر ، لاہور

محترم انکل اشتیاق احمد ، آداب عرض ! "سمندر کا دروازہ" کی شان دار
کامیابی کے بعد "خوف ناک الزام" اور اب "لہروں کی موت" پڑھا۔ اس
میں آپ نے آخر پر جو قادیانیوں کا انجام نکالا ، اس کو پڑھ کر
دل کے چاروں پھول کھل اُٹھے ، بے اختیار آپ کی عظمت کو
سلام کرنے کو جی چاہا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسوائی
کرنے والے قادیانیوں کا یہی حال ہونا چاہیے ، بلکہ اس سے بھی
بد تر۔ آپ واحد مصنف ہیں جو اپنے ناولوں میں اپنے حقیقی اور
سچے مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور قادیانیوں کو اتنی
خوب صورتی کے ساتھ رسوا کرتے ہیں کہ جس کی کہیں بھی مثال نہیں
ملتی اور ہونا بھی ایسے ہی چاہیے۔ یہ ذلیل و خوار لوگ کسی بھی صورت

میں ہم مسلمانوں کے درمیان رہنے کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کو اُٹھا کر باہر پھینک دینا چاہیے۔ یہ شیطان کے چیلے آخر کب تک ایسی بے ہودہ حرکتیں کرتے رہیں گے۔

میں ہی نہیں، بلکہ میرے سٹوڈنٹ ساتھی اور گھر والے بھی آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور آپ کی دل و جان سے عزت کرتے ہیں اور امید ہے کہ آپ کی وجہ سے، ہم جیسے کئی مسلمان ان اسلام دشمنوں سے محفوظ رہیں گے۔

پرنس مقصود الحسن، گلی نمبر ۱۹، بازار نمبر ۲، رضا آباد، فیصل آباد

ڈیر انکل اشتیاق احمد، السلام علیکم! "سازش کی جڑیں" میں پے در پے واقعات نے بوکھلا کر رکھ دیا۔ واقعات کسی کروٹ بیٹھ ہی نہیں رہے تھے۔ آخر میں جب انسپکٹر جمشید کا خیال پڑھا تو دھک سے رہے بغیر نہ رہ سکے۔ اس جیسا خیال آپ جیسا مصنف ہی پیش کر سکتا ہے۔ ہمارے اہلِ اقتدار اور سائنس دان و ماہرین کو اسی نہج پر سوچنا چاہیے۔

اظہر علی بھٹی، بمقام بدو، ڈاک خانہ کوٹ عبد المالک، ضلع شیخوپورہ

ڈیر انکل اشتیاق احمد، السلام علیکم! اس ماہ کا منی خاص نمبر "لہروں کی موت" عا۔ ناول کی مناسبت سے سرورق اور عنوان مناسب تھا۔ آپ نے ..ول میں قادیانیوں کے ناپاک ارادوں کے متعلق ایک انوکھی سوچ

پیش کی ہے اور یہ بالکل درست لکھا ہے کہ وہ ہمارے مسلم ممالک پر حکمرانی کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں، لیکن ان کا یہ خواب اللہ کے فضل و کرم سے کبھی بھی پورا نہیں ہو سکے گا اور وہ اپنے جھوٹے نبی کے ساتھ ہی جہنم کی آگ میں جلیں گے، جیسے پروفیسر ڈونی عرف شبوری اپنے ساتھیوں کے ساتھ گرم اور زرد روشنی میں جلے ہیں۔ آپ نے قادیانیوں کے اعمال کی سزا کا ایک اچھا منظر پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ان دشمنوں کے خلاف ایسا ہی قلمی جہاد جاری رکھنے کی توفیق دے اور ہم سب کو قادیانیوں کے ناپاک عزائم سے باخبر رہنے اور ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محمود علی، کوچہ پیر بھولا، بازار حکیماں، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور

ڈیر انکل اشتیاق احمد، السلام علیکم! سازش کی جڑیں پڑھا، بہت پسند آیا، کیوں کہ جو کہانی چند ماہ پہلے نامکمل رہ گئی تھی، وہ آپ نے اس ناول میں مکمل کر دی۔ پہلے جن لوگوں نے اس سازش کو غلط رنگ دیا تھا، یقیناً یہ ناول پڑھ کر ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ کبھی کبھی تو آپ کے ناول پڑھ کر دل دہل جاتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں کیسے کیسے ناسور پل رہے ہیں۔ بڑی طاقتیں ہر وقت مسلم ممالک کو ہر طرح سے کمزور کرنا چاہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان

اسلام دشمنوں سے بچائے۔ آمین! جہاں یہ ناول پڑھ کر آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دُعا نکلی، وہاں پرانا زخم بھی ہرا ہو گیا۔ اتنا اچھا ناول لکھنے پر مبارک باد قبول کریں۔

عامر سہیل، بلاک ۲، سیکٹر II ڈی، کوارٹر نمبر ۲۲، گرین ٹاؤن، لاہور

جناب اشتیاق احمد، السلام علیکم! سازش کی جڑیں پڑھا اور خاصا متاثر ہوا، کیوں کہ اس ناول میں آپ دشمن اسلام کے ناپاک عزائم اور ان کی سازشیں ہمارے سامنے بے خوف ہو کر لائے ہیں نیز ان کے تدارک کی تدابیر بھی آپ نے بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم میں مزید طاقت عطا فرمائے۔

اسلام الدین چاندیا پاڑہ، ٹنڈو آدم، سانگھڑ، سندھ

پیارے انکل اشتیاق احمد، السلام علیکم! منی خاص نمبر "لہروں کی موت" پڑھا۔ ناول مجموعی طور پر قابلِ صد تحسین ہے۔ اس کا ایک جملہ "یہ کہ تم قادیانی ہو" مجھے بہت ہی اچھا لگا۔ شاید اس لیے کہ آپ نے اس میں جاپانی کی بجائے قادیانی لفظ لکھا ہے۔ میں آپ کو یہ خوبصورت اور قابلِ فکر ناول لکھنے پر بالعموم اور اس جملے پر بالخصوص بہت بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

نعیم اللہ، چک نمبر ۲۰۱ ج ب، تحصیل گوجرہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

ضروری اعلان

- ناول یا رسالہ منگوانے کے لیے اگر آپ نے منی آرڈر ارسال کیا تھا۔
- اور مقررہ تاریخ تک آپ کو چاند ستارے یا ناول نہیں ملے۔
- اور بازار میں ناول اور رسالہ آچکا ہے تو آپ فوری طور پر منی آرڈر کی رسید کی فوٹو سٹیٹ یا رجسٹری کی رسید کی فوٹو سٹیٹ ارسال کر دیں۔ تاکہ فوری طور پر آپ کی شکایت دُور کی سکے۔
- ہو یہ رہا ہے کہ پہلے آپ شکایتی خط لکھتے ہیں۔ پھر ہم رسید منگوانے کے لیے آپ کو خط لکھتے ہیں، اس طرح مزید دیر ہوتی ہے۔

اُمید ہے، توجہ فرمائیں گے